جس تن لگیا عشق کمال
عُشنا کوثر سَردار

جس تن لگیا عشق کمال

اور پھر یک دم ہی مینہ چھاجوں ٹوٹ کر برسنے لگا۔ حالانکہ صبح جب وہ گھر سے نکلی تھی' تو موسم اعتدال پر تھا' اور اچھی خاصی دھوپ بھی چمک رہی تھی' مگر اب......

بادل زور سے گرجنے کی آواز پر اس کا ننھا سا دل یک دم ہی کانپ گیا۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی' اور پھر اٹھ کر دوپٹہ اچھی طرح اوڑھنے لگی۔ سٹاف کے لوگ آہستہ آہستہ نکل رہے تھے۔

''تمہارا گھر تو بہت دور ہے' کس طرح جاؤ گی؟'' اس کی کولیگ اسماء نے کہا' تو وہ مسکرا دی۔

''ظاہر ہے جس طرح روز جاتی ہوں' ویسے تم کیسے جاؤ گی؟''

''میرے تو فیانسی مجھے پک کر لیں گے۔'' اسماء ہنس کر بولی' تو وہ جواباً حسرت و یاس بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

''کاش خدا سب کو تم جیسے سعادت مند منگیتر عطا کرے۔'' اور اسماء ہنسنے لگی۔

''منگنی کروالو تم بھی' قسم سے مزے ہوتے ہیں۔''

''قیمتی اور نایاب مشورے کا شکریہ' ویسے مجھے اپنی خوش بختی پر رتی برابر یقین نہیں' پھر ضروری بھی نہیں کہ جیسا فرمانبردار آپ کو ملا ہے' ویسا ہی سب کو بھی مل جائے۔'' وہ بولی تو اسماء مسکرا دی۔

تب ہی پھر بادل زور سے گرجا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"ابھی تو بہت زور ہے بارش کا' ٹھہر جاؤ' کچھ دیر' بارش تھم جائے تو نکل جانا۔"

"نہیں' بہت دیر ہوگئی ہے پہلے ہی۔ سکول ٹائم دو بجے ختم ہو جاتا ہے' اور اب اڑھائی بج رہے ہیں۔ کاپیاں دیکھتے دیکھتے مجھے بالکل بھی دھیان نہیں رہا۔ امی تو پریشان ہو رہی ہوں گی' حالانکہ روزانہ بھی دو دو بسیں بدلنے کے بعد میں تین سوا تین بجے تک پہنچتی ہوں' مگر آج چونکہ موسم خراب ہے' اس وجہ سے ان کی پریشانی بھی عروج پر ہوگی۔" اس نے کہا' پھر اس کے ساتھ ہی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

آسمان سے ٹوٹ کر برستا ابرِ کرم اسے بڑی تیزی کے ساتھ بھگونے لگا۔ اس نے اپنا فیروزی کلف لگا دوپٹہ کس کے سر پر جما لیا' اور تیز تیز چلنے لگی۔

اس کا سکول اگرچہ شہر کے معروف ترین علاقے میں تھا' مگر اب اس طوفانی موسم کے باعث ہر سُو ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ اِکا دُکا لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ سڑک پر جمع پانی کسی جھیل کا منظر پیش کر رہا تھا' اور اس جھیل میں تیرتی اور بعض ساکت و جامد گاڑیاں دیکھنے والوں کے لئے اور خصوصاً پیدل چلنے والوں کے لئے ایک عبرتناک نمونہ بنی ہوئی تھیں۔

اے کراچی! تیرا نصیب بھی خوب ہے' کبھی تو برسوں پانی کی بوند بوند کو ترستا ہے' اور ابر کرم نہیں برستا' اور جب خدا اپنی رحمت برساتا ہے تو تیرے گلی کوچے' ندی' نالوں اور جھیلوں جیسے نمونے پیش کرنے لگتے ہیں۔ سوچ خاصی دلچسپ تھی' تب ہی اس تیز بارش میں بری طرح بھیگنے کے بعد بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔ فٹ پاتھ کے کنارے چلتے ہوئے جب روڈ کراس کر کے دوسری سمت جانے کی ضرورت پڑی' تب وہ ایک دم پریشان سی ہو کر رک گئی۔ چہار سُو گھرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سامنے موجود بس شاپ پر کسی بندہ بشر کا وجود تک نہ تھا۔ اس نے جھک کر آہستہ سے اپنی سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی کہ پانی میں بھیگ کر جواب ہی نہ دے جائے' اور پھر پانی میں اتر گئی۔ ٹوٹے روڈ کے درمیان موجود فٹ پاتھ پر قدم رکھنے کے بعد اس نے سکھ کا سانس لیا' مگر ابھی ایک اور دریا کو بھی پار کرنا تھا۔ تب ہی اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا' اور ہمت کر کے پھر جھیل نما پانی میں اتر گئی' مگر یکدم جانے پاؤں میں کیا چبا کہ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

بس شاپ پر موجود شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے جھک کر پاؤں کو دیکھا' جس میں سے کافی تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ جائزہ لینے پر اس نے قیاس کیا کہ شاید کوئی کانچ کا

ٹکڑا تھا' جس نے کھال کو کاٹ کر زخمی کر دیا ہے۔ بغور جائزہ لینے کے بعد اس نے پرس میں سے رومال نکالا' اور اس پر کس کر باندھ لیا' اور پھر سینڈل پہن کر بس کا انتظار کرنے لگی۔

اس دوران کئی من چلے اس پر فقرے کستے ہوئے اپنے "مہذب" ہونے کا پتا دیتے رہے۔ کچھ ہمدرد دل صاحبان نے اسے رک کر باقاعدہ گھر تک چھوڑنے کی آفر بھی کی' مگر وہ سامنے روڈ پر نگاہ جمائے یوں کھڑی رہی' جیسے آنکھ اور کان سرے سے اس کے پاس ہیں ہی نہیں۔ دو ایک کی شاعرانہ حسِ لاجواب تھی۔

نہ جانے کہاں سے آئی ہے
نہ جانے کہاں کو جائے گی
دیوانہ کسے بنائے گی
یہ لڑکی......!

کچھ قدرے درمیانے طبقے یعنی مڈل کلاس کے خراج تحسین پیش کرتے جملے تھے' اور دو چار جو اپنے حلئے سے خاصے ماڈ لگ رہے تھے' ان کے لبوں سے بھی انگریزی ملی اردو کے اشعار جھڑ رہے تھے۔ یہ وہ امیر زادے تھے' جو محض موسم کو انجوائے کرنے نکلے تھے' اور بھرپور طور پر انجوائے بھی کر رہے تھے۔ اوپن اور قیمتی گاڑیوں میں سوار من چلے جواب تک نظروں سے گزرے تھے' اور یقیناً دل جلا گئے تھے۔

"کاش اپنے پاس بھی لمبی گاڑی ہوتی' اور چاہے ہم انجوائے نہ کرتے' مگر یوں کھڑے کھڑے پانی پانی تو نہ ہو رہے ہوتے۔ تب ہی منی بس کا ہارن دور سے سنائی دیا' تو وہ چوکس ہو کر کھڑی ہوگئی۔ منی بس اسی کے روٹ کی تھی۔

✦ ◈ ✖

آج موسم بڑا ہے سہانا
ہائے مشکل ہے دل کو بچانا

دروازے میں جونہی قدم رکھا ثوبان کی چیختی چنگھاڑتی آواز کانوں میں پڑی' تو وہ جل کر جیسے کباب ہوگئی۔ وہ بڑے مزے سے کرسی پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھا' گرم گرم چائے کے ساتھ پکوڑے کھانے میں مشغول تھا' اور ساتھ ہی ساتھ گا بھی رہا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی' پرس ایک طرف پھینکا اور دھم سے کرسی پر گر گئی۔

آج موسم......

''خبردار جواب تم نے موسم کے متعلق ایک جملہ بھی کہا۔'' وہ ابھی گانے جا ہی رہا تھا کہ اس نے انگلی اٹھا کر کہا' ساتھ ہی کھا جانے والے انداز میں گھورا بھی۔ مگر وہ ہنس پڑا' اور ساتھ ہی پکوڑوں والی پلیٹ اٹھا کر اس کے آگے کر دی' مگر وہ نظر انداز کر کے سینڈل اتارنے لگی۔

''کیا ہوا' مس صاحبہ کے مزاج شریف برہم نظر آتے ہیں؟'' اس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ثوبان پلیز کچھ مت کہو' میرا موڈ سخت آف ہے۔ دو گھنٹے کی خواری کے بعد پہنچی ہوں۔ یہ بارش کا سارا حسن اعلیٰ طبقوں تک محدود ہے۔ ہم جیسے مڈل کلاس اور لوئر کلاس والوں کے لئے تو یہ موسم نرا عذاب ہے۔''

ابھی وہ مصیبت کی شان میں مزید کچھ اور کہنے والی تھی کہ چھینکوں نے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔

''دیکھا' اللہ میاں کی رحمت کو عذاب کہا تو کیسی سزا ملی؟'' ثوبان ہنستے ہوئے بولا۔ تب وہ جھک کر پھر سے سینڈل کے اسٹیپ کھولنے لگی۔

''پاؤں پر کیا ہوا؟'' وہ رومال بندھا دیکھ کر پریشانی سے بولا۔ رومال کا سفید رنگ اب سرخ پڑ چکا تھا۔

''تمہارے اس ''سہانے'' ایمان موسم کے کرشمے ہیں سارے۔'' وہ کہہ کر پھر ''آچھیں آچھیں'' کرنے لگی۔ تب ہی سومیہ اس کے لئے چائے لے آئی۔

''مجھے آپ کی چھینکوں کی آواز آ گئی تھی۔'' اسے کپ تھماتے ہوئے وہ بولی۔ ''امی اتنی پریشان ہو رہی تھیں آپ کے لئے' کئی بار آپ کے سکول بھی رنگ کروایا' مگر کوئی اٹھا ہی نہ رہا تھا۔''

''ظاہر ہے اس موسم میں وہاں کون موجود ہوتا۔ ویسے بھی دو اڑھائی بجے تک پورا سکول خالی ہو جاتا ہے' اور اب تو پانچ بجنے کو آئے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے رومال زخم پر سے اتارا' پھر بھی ایک سسکی اس کے لبوں سے نکل گئی۔

''ہائے آپی! یہ کیا ہوا؟'' اس کا گہرا زخم دیکھ کر جہاں ثوبان چونکا' وہاں سومیہ بھی دوڑ

کر قریب آ گئی۔

''کچھ نہیں' امی کہاں ہیں؟'' وہ اپنی پریشانی ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی' اس لئے ماں کو پوچھنے لگی' مگر سومیہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ثوبان اس کا پاؤں تھام کر جھکا۔

''ارے رہنے دو معمولی زخم ہے' ابھی دوا لگاتی ہوں۔'' اس نے چھینکوں کے درمیان جملہ مکمل کیا' اور ساتھ ہی پاؤں بھی پیچھے ہٹانا چاہا' مگر ثوبان نے اسے ایک نظر خاموشی کے ساتھ تکا' پھر اس کا پاؤں اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا' اور بغور جائزہ لینے لگا' وہ پھر چھینکنے لگی۔

تب اس نے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کی سمت بڑھا دیا۔

''شکریہ!''

''زخم لگا کیسے' کیا جوتے نہیں پہنے تھے؟'' وہ اس کا شکریہ نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

''نہیں وہ......'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ مگر وہ ہنسنے لگا۔

''کنجوس کہیں کی' دو اڑھائی سو کی سینڈل بچانے کے لئے پاؤں زخمی کروا لیا۔ پہنے رہتیں تو کیا ہو جاتا۔'' جانے وہ کیسے جان گیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔ پھر بولی۔

''ٹوٹ جاتی اور پھر نئی لانے کے لئے پیسے خرچ کرنے پڑتے' اور فی الحال میں اس خرچ کو افورڈ نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ تنخواہ ملنے میں بھی ابھی بیس دن پڑے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا' مگر ثوبان ہنستا چلا گیا۔

''ریم بی بی! تمہارا بھی جواب نہیں' اس صدی کی سب سے ذہین ترین خاتون ہو تم۔ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ ابھی تک تمہارا نام ''گینز بک'' میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔'' وہ بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔ تب ہی امی' سومیہ' سعدیہ اور نوریا اندر داخل ہوئیں۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟'' امی فکرمندی سے بولیں۔

''کچھ نہیں امی معمولی زخم ہے' آپ کہاں تھیں؟'' اس نے پاؤں ثوبان کی گود سے ہٹا کر میز پر رکھ دیا۔

''یہ سعدیہ اور نوریا کی ٹیوشن کی ٹیچر نے بلوا لیا تھا۔ کم بختوں پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہوں' مگر عقل میں پھر بھی کچھ نہیں سماتا ان کی۔'' وہ بولتی ہوئی جھک کر اس کے پاؤں کو دیکھنے لگیں۔ ''ہائے اتنا گہرا زخم' اس پر تو ٹانکے لگیں گے۔'' امی کا دل ہول گیا۔

''ارے نہیں امی' اتنا بڑا اور گہرا زخم تھوڑی ہے۔''

"ارے رہنے دیں پھوپھو' یہ کنجوس کی نانی ایک پائی بھی خود پر خرچ نہیں ہونے دے گی۔"

"ہاں تو کیوں خرچ ہونے دوں' پائی کوئی آسانی سے تو نہیں کمائی جاتی۔" وہ جلدی سے بول پڑی۔

"واہ جی کیا کہنا' تب ہی تو حیرت ہے گینز بک والے اب تک متوجہ کیوں نہیں ہوئے۔" ثوبان بولا تو سعدیہ' نوریا اور سومیہ ہنسنے لگیں۔ تب ہی امی نے ان کی سمت گھورا۔

"یہاں کھڑی کھڑی دانت کیا نکال رہی ہو' جاؤ ڈیٹول اور مرہم پٹی لے کر آؤ۔"

تب وہ تینوں سر جھکا کر باہر نکل گئیں۔

"یہ حمزہ کہاں ہے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کر رہا ہوگا دوستوں کے ساتھ مٹر گشت' اور اسے کام بھی کیا ہے۔" امی جلائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"امی یہی تو عمر ہے گھومنے پھرنے دیں۔"

"ہاں' مگر اب وہ بچہ تو نہیں رہا' خیر سے بیس برس کا ہو گیا ہے۔"

"امی! بیس برس بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔"

تب ہی سومیہ ڈیٹول' روئی اور مرہم وغیرہ لے کر آ گئی' جسے ثوبان نے لے لیا' اور اس سے مخاطب ہوا۔

"چلو ریم بی بی! فٹافٹ پاؤں اوپر رکھو۔" اس نے ایک نظر دیکھا' پھر پاؤں آگے کر دیا۔

"یہ تم نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے۔

گیلے کپڑوں کے باعث بیمار پڑ گئیں تو؟" اور وہ جواب میں چھینکیں مارتی چلی گئی۔

"دیکھا' ہو گیا نا اثر تب ہی کہہ رہی تھی کہ......"

"امی! دراصل تھکن اس قدر ہو گئی تھی کہ...... آچھیں...... آچھیں...... آچھیں!"

ثوبان زخم کو ڈیٹول سے صاف کر کے مرہم لگانے لگا۔ اس کی درد کی شدت سے سسکی نکل گئی۔

"اف......"

"ابھی تو کہہ رہی تھیں زخم معمولی ہے۔" وہ جواباً شرارت سے مسکرایا تو وہ گھور کر امی کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں تمہارے لیے دودھ میں ہلدی ڈال کر لاتی ہوں۔ وہ تینوں تو جانے کس بل میں جا گھسی ہیں۔" امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"امی! دودھ اور ہلدی رہنے دیں' بس ایک کپ جوشاندہ لا دیں۔" وہ ثوبان کے رومال سے ناک پونچھتے ہوئے بولی۔

"بس چپکی رہ اب۔ جو اتنا خون بہا ہے وہ کیا جوشاندے سے پورا ہو جائے گا؟" امی نے ڈانٹا۔

"پھوپھو! اس کا بس چلے تو کھانے کی جگہ صرف ہوا کھائے۔ جانے کہاں سے آ گئی ہے اتنی کنجوس۔" ثوبان ہنس کر بولا تو امی بھی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"تم مجھے بار بار کنجوس مت کہو۔ بچت کرنا اور عقل مندی کا ثبوت دینا کنجوسی کے زمرے میں قطعی نہیں آتا۔ بزرگ کہتے ہیں آج سنبھالو کل کھاؤ۔" اس نے عقل مندی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ کوئی نیا محاورہ ہے کیا؟ اس سے پہلے تو میں نے کبھی نہیں سنا۔" ثوبان نے یکسر لاعلمی کا اظہار کیا' تو وہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"یہ میرا ایجاد کیا ہوا محاورہ ہے۔"

"واہ تو کیا اب تم یہ کام بھی کرنے لگی ہو؟" وہ خاموش رہی' تو وہ مسکرا کر اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"پتا ہے اس وقت تم کیا لگ رہی ہو؟ بھیگی ہوئی چوزی۔"

ریم نے اسے گھور کر دیکھا پھر پاؤں پیچھے ہٹا لیا۔

"تم بھی ایک بار باہر کا چکر لگا آؤ۔ خود ہی بھیگے ہوئے شتر مرغ بن جاؤ گے۔"

"ہاہاہا...... ہاہا......!" اس نے قہقہہ لگایا۔ تب ہی اچانک وہ بولی۔

"تمہاری جاب کا کیا بنا؟"

"کون سی جاب؟" اس کا لہجہ بے نیازانہ تھا۔ ریم نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر گہرا سانس خارج کر کے بولی۔

''وہ جس کو تم نے دو ہفتے پہلے جوائن کیا تھا۔''

''آ...... چھا...... وہ......!'' وہ یوں بولا' جیسے مدتوں پہلے کی کوئی بات یاد آئی ہو۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔ ریم اسے حیرت سے' مگر خاموشی سے دیکھتی رہی۔

''اسے تو ختم ہوئے بھی ہفتہ ہوگیا۔'' اس کا انداز نہایت مطمئن تھا۔

''خرابی کیا تھی اس میں؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتی پوچھنے لگی۔

''بس وہ مابدولت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی اور......!''

''تم آخر ایک جگہ ٹک کر ڈھنگ کا کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟''

''ڈھنگ کا ملے بھی تو!'' اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

''ایم اے اکنامکس' ایم اے انگلش کیا یونہی دربدر بھٹکنے کے لیے کیا تھا۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کاش ہمارے ملک میں ڈگریوں کی کوئی وقعت ہوتی۔'' اس کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔'' وہ شاید شاعر نے ہم جیسوں کے لیے ہی کہا ہے۔

دربدر بھٹکنا کیا دفتروں کے جنگل میں

ڈگریاں جلا دینا بیلچے اٹھا لینا

''مگر تم تو یہ کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔ یہ بھی تمہاری شان کے خلاف ہے' اور کچھ نہیں تو کم از کم ماموں کا ہی خیال کرلو۔ وہ تمہاری وجہ سے کس قدر پریشان رہتے ہیں۔ زوہیب بھائی' وقار بھائی دونوں اپنے پیروں پر کھڑے ہیں اور ایک تم ہو......''

''با......س......'' اس نے اچانک بیچ میں بول کر اسے مزید کچھ بولنے سے باز رکھا۔

''یہ نصیحت سن سن کر میں تنگ آگیا ہوں۔ کم از کم پلیز تم تو کوئی اور بات کرلیا کرو۔'' اگر میں بے روزگار ہوں' یا مجھے کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملتی' تو اس میں بھلا میرا کیا قصور ہے۔ تم مجھے موردِ الزام تب ٹھہراؤ جب میں کوئی کوشش ہی نہ کروں یا ہاتھ پاؤں نہ چلاؤں' مگر تم دیکھ رہی ہو۔ دو سال سے جگہ جگہ جوتیاں چٹخانے کے باوجود اب تک میں ہمت نہیں ہارا۔ آج بھی اخبار میں' میں ''ضرورت ہے'' کا کالم پوری رغبت سے پڑھتا ہوں اور درخواستیں بھی پوسٹ کرتا ہوں مگر......'' مگر وہ خدا حافظ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا' جبکہ ریم کافی دیر تک بیٹھی یوں ہی اسی سمت دیکھتی رہی۔ پھر دوپٹہ ایک طرف ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور دوسرے دن جب وہ سو کر اٹھی تو بارش پھر ہو رہی تھی۔ صبح اس کی آنکھ خاصی دیر سے کھلی تھی' اور کچھ پاؤں میں بھی تکلیف تھی۔ تب ہی وہ اسکول نہ گئی تھی' اور اک نہایت معقول وجہ چھت کا رات بھر ٹپکنا بھی رہی تھی۔ جس کے باعث وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکی تھی۔ رات بھر چھت سے پانی ''ٹپ......ٹپ......ٹپ'' گرتا رہا۔ گو اس کا بیڈ قدرے سائیڈ میں تھا' اور پانی عین درمیان سے ٹپک رہا تھا' مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں کھولے پانی کے قطروں کو فرش پر رکھے گئے۔ دیگچے میں گرتے ہوئے شمار کرتی رہی۔

''ایک......دو......تین......''

''ٹپ......ٹپ......ٹپ......!! ایسی شاندار آواز تو تان سین کے تاروں سے بھی نہ نکلی ہوگی۔''

''اُف!'' اس نے آخرکار ان سریلے سروں سے بچنے کے لئے کانوں پر تکیہ رکھ لیا کہ یہ شاندار موسیقی اس کی نازک سماعت پر بہت گراں گزر رہی تھی۔ اس کے ساتھ لیٹی سومیہ نہایت اطمینان سے سو رہی تھی۔

جیسے تیسے رات گزر گئی' مگر صبح وہ اسکول کے لئے نہ اٹھ سکی۔ پھر ناشتہ کرنے کے بعد وہ تکیہ لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی کہ ایک یہ واحد کمرہ تھا' جو ان حسین سروں سے اور جلترنگ بجاتی بوندوں سے محفوظ تھا' اور پھر اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب وہ گہری نیند میں اتر گئی۔

رم جھم رم جھم

رم جھم رم جھم

بھیگی بھیگی رات میں

ہم تم' تم ہم

چلتے ہیں' چلتے ہیں

پتا نہیں خواب تھا یا حقیقت۔ ریم کو تو گہری نیند میں یہی محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی سہانا سپنا ہے' اور کوئی سریلی دھن میں گا کر اسے ایک حسین دیس میں چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔ آواز نہایت دلکش اور بھاری تھی۔ مگر آواز کسی ایک شخص کی تو نہ تھی۔ یہ تو بہت سے لوگ شاید کورس میں گا رہے تھے۔ مگر آواز بہت واضح تھی۔

آوازوں کا ردھم اسے آخرکار صحیح صورتحال دکھلانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس نے

چادر منہ پر سے ہٹا کر سر پر موجود ثوبان' حمزہ' سومیہ' سعیدہ وغیرہ کو ایک نظر دیکھا' جو کھلی کھڑکی سے باہر برستا ہوا' ساون دیکھ کر لہکتے ہوئے گا رہے تھے' بلکہ حمزہ تو ساتھ ساتھ ٹیبل بھی مہارت سے بجا رہا تھا۔ وہ اس طرح ڈسٹرب کیے جانے پر سیخ پاسی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

''تم لوگوں کو تکلیف کیا ہے؟'' مگر جیسے کسی نے سنا ہی نہیں۔ ویسے ہی لہک لہک کر گاتے رہے۔

آئی ہے دیکھنے جھیلوں کے آئینے بالوں کو کھولے گھٹائیں راہیں دھواں دھواں جائیں گے' ہم کہاں آؤ یہیں رہ جائیں۔

''شٹ اپ!'' وہ نہایت زور کے ساتھ کانوں پر ہاتھ رکھ کر دھاڑی تو یکدم کمرے میں سکوت سا چھا گیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''کھی...... کھی...... کھی......'' کمرے میں دبی دبی ہنسی کی آوازیں پھیل گئیں۔ تب ہی ثوبان گویا ہوا۔

''یہ لائف انجوائے کرنے کے لئے ہے۔ پھر یہ موسم روز روز تو نہیں آتا۔ اگر دل بہلانے کو ذرا سا......''

''ذرا سا' گھنٹہ بھر سے تم لوگ ڈھول پیٹ رہے ہو' میرے سرہانے اور میں سمجھ رہی تھی میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔'' اس نے کھلے دراز گیسوؤں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے کہا' تو ثوبان سمیت سب ہنسنے لگے۔

''خیر اتنی مبالغہ آرائی سے تو کام مت لو تم۔ گھنٹہ بھر سے تو نہیں۔ بس پندرہ منٹ سے۔''

''کیا یہ پندرہ منٹ کم ہوتے ہیں' اور تم لوگوں کو انجوائے کرنے کے لیے کیا ایک یہی کمرہ ملا تھا۔'' وہ ثوبان کی بات درمیان سے ہی کاٹ کر گویا ہوئی۔ تب حمزہ بول پڑا۔

''ہم تو دوسرے کمرے میں جا رہے تھے' مگر ثوبان بھائی نے کہا کہ اس کمرے سے باہر کا نظارہ حسین نظر آ رہا ہے' لہٰذا اسی کمرے میں قیام کیا جائے۔''

''رات بھر سوئی نہ تھی میں' اب اگر آنکھ لگی ہی تھی تو......'' وہ تاسف سے بولی۔

''محترمہ! پھوپھو کی اطلاع کے مطابق آپ صبح دس بجے سوئی تھیں' اور اب تین بج رہے ہیں' سہ پہر کے پانچ گھنٹے کی نیند تو آپ لے ہی چکی ہیں۔ اگر اور سونا مقصود ہو تو آپ

بہ خوشی یہ شوق دوسرے کمرے میں جا کر پورا کر سکتی ہیں۔'' ثوبان نے کہا' پھر سومیہ سے بولا۔

''سومی ڈیئر! کیا خیال ہے باہر نہ چلیں آئس کریم کھانے؟'' سومیہ' سعدیہ اور نویرا مسکرانے لگیں۔

''ارے زبردست!'' حمزہ نے بھی فوراً تائید کی۔

''کیوں کزن تم بھی چلو گی؟'' وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''جی نہیں' اور تم لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں جائے گا' آئس کریم گھر لے آؤ' سب بیٹھ کر مزے سے کھا لیں گے۔ باہر کا موسم ٹھیک نہیں۔'' اس نے نادر مشورے سے نوازا' مگر سب کے چہرے اتر گئے۔

''موصوفہ کس صدی کی روح ہو تم؟'' ثوبان اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا' تو وہ گھور کر رہ گئی۔ تب وہ بولا۔ ''اکیسویں صدی میں قدم رکھ رہے ہیں ہم' اور تم اب بھی ایسی دقیانوسی باتیں کرتی ہو۔ ''موسم ٹھیک نہیں۔'' اس نے باقاعدہ اس کے انداز میں کہا' تو سب ہنسنے لگے۔

وہ ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی۔

''ثوبان بھائی! اگر آپی نہیں چاہتیں تو نہ سہی' ہم نہیں جاتے۔'' سومیہ نے کہا۔

''ہاں میں گھر ہی لے آتا ہوں آئس کریم۔'' حمزہ بھی اٹھنے لگا۔

''رکو یار۔'' اس نے فوراً ہاتھ تھام لیا۔ پھر ریم کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''محترمہ کنجوس صاحبہ! آپ تیار ہو جائیں' بل میری جیب سے ادا ہوگا۔'' اور تب ایک دم ریم کے ہونٹوں پر دھیمی مسکان پھیل گئی۔

''کیوں کیا بیٹھے بیٹھے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟''

ہم مزاجاً فقیر ہیں اور لوگ
شاہ بن بیٹھے ہیں پل بھر میں

وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''چلو نا ریم اب تو اٹھ جاؤ۔'' حمزہ بولا۔ تب وہ مجبوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ البتہ چلتے وقت اسے چھاتا ساتھ لے جانا نہ بھولا۔

اور جب سب ہلکی ہلکی پھوار سے محظوظ ہوتے ہوئے آئس کریم کھانے میں مشغول تھے'

تب وہ چھاتا کھولے بے حد بچ بچ کر قدم اٹھا رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں آئس کریم تھی۔

"تمہاری آپا کے خیال میں یہ موسم صرف امیروں کے انجوائے کے لئے ہے۔" ثوبان ہنستا ہوا بولا۔

"میں نے کب کہا ایسا؟" وہ چونک کر بولی۔

"کہا نہیں مگر سوچتی تو ہو نا؟" وہ اعتماد سے پوچھ رہا تھا' اور تب وہ جواب دیئے بغیر سر جھکا گئی۔

"کاش ہم بھی بہت امیر ہوتے' ہزار دو ہزار گز پر مشتمل اپنا گھر ہوتا۔ ایک لمبی گاڑی ہوتی اور......" سومیہ جو ایک جذب سے بول رہی تھی' یکدم چپ ہو گئی۔

"بس سوی ڈیئر واپس لوٹ آؤ' اس سے آگے میرے سپنوں کا محل ہے۔ کہیں اسے دیکھ کر تم رستہ ہی نہ بھٹک جاؤ۔" ثوبان بولا تو حمزہ ہنس پڑا۔

"ثوبان بھائی! کیا آپ بھی خواب دیکھتے ہیں؟"

"یہ پوچھو کب خواب نہیں دیکھتے؟" ریم ہنستے ہوئے بولی' تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"ہوں' کبھی سچ بھی ہوں گے اپنے سپنے۔" انداز کھویا کھویا سا تھا۔

"سچ تو تب ہوں گے' جب تم ڈھنگ سے ایک جگہ ٹک کر کام کرو گے۔" ریم بولی تو وہ دیکھنے لگا' پھر بولا۔

"ڈیئر کزن! اپنے جو خواب ہیں وہ ہزار دو ہزار میں ہرگز خریدے نہیں جا سکتے۔ ان کے حصول کے لئے رقم بھی تگڑی چاہیے۔"

"مگر یہ تگڑی رقم آئے گی کہاں سے ثوبان بھائی؟" سعدیہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

"ابھی تو پتا نہیں۔" وہ گردن نفی میں ہلاتا ہوا بولا اور پھر یونہی چلتے چلتے گھر آ گیا۔

"وہ کچن میں کھڑی کھانا تیار کر رہی تھی' جب اچانک وہ آ گیا۔

"ریم! کچھ پیسے مل سکتے ہیں؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی' تب وہ بولا۔

"ادھار!"

"کتنے؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"پانچ سو تک۔" وہ بولا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر چلی گئی' پھر آئی تو اس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ تھا۔ جسے اس نے ثوبان کی سمت بڑھا دیا۔

"جاب ملتے ہی میں لوٹا دوں گا۔" اس نے تھامتے ہوئے یقین دلایا' تو وہ مسکرا کر بولی۔

"میں دعا کروں گی' تمہیں جلد نوکری مل جائے۔" اس کے لبوں پر شرارت تھی۔

"تھینک یو ریم۔"

"بس......بس......" وہ بولی اور پھر مڑ کر ہانڈی میں ڈوئی چلانے لگی۔

"کیا بنا رہی ہو؟"

"بیسن کی کڑھی اور چاول۔ تمہیں پسند ہیں نا؟"

"ہوں مگر آج میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ کھا نہیں سکوں گا۔" وہ بولا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ریم تادیر پلٹ کر اسے دیکھتی رہی۔

✦ ◈ ✦

"نالائق' نانہجار' دو سال سے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہے۔ والدین اولاد کے جوان ہونے پر اس لیے خوش ہوتے ہیں' کہ وہ ان کے بڑھاپے کی لاٹھی بنتے ہیں۔ مگر آپ کے یہ ہونہار صاحب زادے الٹا خود ہم پر بوجھ بنے بیٹھے ہیں۔" عمر قریشی خاصی تیز آواز میں بول رہے تھے' جب ریم نے دہلیز پر قدم رکھا۔

"آداب ماموں جان اور مامی جان!" اس نے سر جھکائے خاموش مجرم نظر آتے ثوبان قریشی کو ایک نظر دیکھا۔

عمر صاحب جو آج دل کی تمام بھڑاس نکال لینا چاہتے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر یک دم چپ ہو گئے' اور ریم کے آداب کا جواب دیتے ہوئے بولے۔

"کیسی ہو بیٹا تم؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے پھر ثوبان کو دیکھا' جو اب اس کی سمت دیکھے بغیر اٹھ کر پہلے اندر گیا' اور پھر دوسرے ہی پل نکل کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ ریم نے اس صورتحال کو دیکھا' پھر مامی کے پاس بیٹھ گئی۔ تب ہی مامی گویا ہوئیں۔

"آپ کو اتنا سخت رویہ نہیں رکھنا چاہیے' عمر صاحب! جوان اولاد ہے۔ غصے میں آ کر کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ وہ اپنے شوق اور خوشی سے تو بے روزگار نہیں پھر رہا۔ بندے کے اختیار میں تو جو ہوتا ہے وہ کرتا ہے۔ وہ بھی مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ اب اگر کامیابی نہ ہو

تو آپ اسے قصوروار نہیں کہہ سکتے۔'' انہوں نے بیٹے کا پورا پورا دفاع کیا۔

''بیگم! آپ بلاوجہ اس نالائق کی سائیڈ نہ لیں۔ اس دو سال کے عرصے میں تین عدد ملازمتیں میں نے اسے خود دلوائیں' مگر وہ پاجی کسی ایک جگہ بھی نہ ٹک سکا۔''

''ان تین میں سے کوئی معقول بھی ہوتی تب ناں۔ کہیں کلرکی' کہیں سیلز مین' اب اتنا پڑھ لکھ کر وہ اس طرح کی چاکریاں تو کرنے سے رہا۔''

''ہاں آپ کے ہونہار سپوت کو تو اعلیٰ قسم کی ملازمت طشتری میں سجی سجائی مل جائے گی۔ ارے اس ملک کی 131.1 ملین آبادی میں سے 36.70 ملین صرف لیبر ہیں' اور 4.84 فیصد لوگ Unemployment کا شکار ہیں۔ ہمارا ملک ان ترقی پذیر ملکوں میں سے ہے' جس میں Dependacy روز بروز Increase ہو رہی ہے۔ کمانے والا ایک ہے تو کھانے والے دس ہیں۔ ایسے میں اگر کسی کو کلرکی یا اسی جیسی کوئی اور نوکری مل جاتی ہے' تو ان کے لئے وہ بھی غنیمت ہے۔ یہاں لوگ مزدوری کے لئے بھی ترستے ہیں۔ کبھی باہر نکل کر دیکھو لائن لگی ہوتی ہیں' ایسے لوگوں کی جو سیمنٹ اور بجری ڈھونے کے لئے اینٹیں اٹھانے کے لئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ آپ کے صاحب زادے نے کوئی انوکھی ڈگریاں نہیں حاصل کر رکھیں۔ اس لمبی قطار میں کئی نوجوان ایسی ہی ڈگریوں کے حامل نظر آتے ہیں۔ اور وہ لوگ بغیر کسی شرم یا جھجک کے وہ کام سرانجام بھی دیتے ہیں۔ آپ کے سپوت کی طرح اس آس میں نہیں بیٹھے رہتے کہ کوئی آئے اور پلیٹ میں ان کی مرضی اور پسند کی نوکری رکھ کر انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش کر دے۔'' ماموں تند لہجے میں طنز کے تیر برساتے ہوئے اندر غائب ہو گئے۔ تب مامی گہرا سانس خارج کر کے اس کی سمت متوجہ ہوئیں۔ جو سر جھکائے ایسے بیٹھی تھی' جیسے اصل مجرم وہی ہو۔

''ناہید کیسی ہے؟ کتنے دنوں سے آئی نہیں وہ؟''

ریم چونک کر دیکھنے لگی' پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ امی کہہ رہی تھیں' وہ چکر لگائیں گی۔''

''باقی بچے سب ٹھیک ہیں؟''

''جی۔''

''تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟''

''جی ٹھیک جا رہی ہے۔'' وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔

''تم بیٹھو' میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' مامی اٹھنے لگی تھیں' تب ہی وہ بولی۔

''نہیں' اس وقت موڈ نہیں۔ یوں بھی میں ابھی کھانا کھا کر آ رہی ہوں۔ یہ آمنہ اور رقیہ بھابی نظر نہیں آ رہیں۔ بچوں کا شور بھی نہیں ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''ہاں دونوں میکے گئی ہوئی ہیں' بھائی کی شادی ہے نا۔ ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد ہی واپسی ہوگی اب۔''

''تب ہی آپ اتنی اداس نظر آ رہی ہیں' بچوں کے بنا دل نہیں لگتا نا آپ کا؟''

''ہاں یہ تو ہے۔ تم بیٹھو ثوبان کے لئے میں نے کھیر بنائی تھی' مگر اس لڑائی جھگڑے میں وہ کھا ہی نہیں سکا۔ تمہارے لیے لے آتی ہوں میں۔'' مامی اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ تب وہ بھی اٹھ کر یونہی ٹہلنے لگی۔ پھر ایک دم نظریں ثوبان قریشی کی دیوار پر لگی تصویر پر جا ٹھہریں۔ وہ کئی لمحے یونہی خاموشی سے دیکھے گئی۔

''کیوں کرتے ہو تم ایسا۔ بے عزتی تمہاری ہوتی ہے' اور شرمندہ میں ہوتی ہوں اور تم.....'' وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی' جب مامی جان اس کے لئے کھیر لے کر آ گئیں' اور تب وہ پلٹی اور پھر مامی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی کھیر کھانے لگی۔

پھر کتنی ہی دن ثوبان قریشی اس سے نہ ملا۔ اسکول سے واپسی پر وہ گھر جانے کے بجائے دو گلیاں کراس کر کے عمر ماموں کے ہاں چلی گئی۔ گیٹ پر سے کنڈی اتار کر وہ اندر داخل ہوئی تو گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ شاید آمنہ اور رقیہ بھابی ابھی واپس نہ آئی تھیں' اور مامی شاید سو رہی تھیں۔ اس نے خاموشی سے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ تب ہی شام میں آنے کا ارادہ کر کے پلٹنے والی تھی' جب اچانک وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آئی ہو اور ملے بغیر واپس بھی پلٹ رہی ہو؟'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ تب وہ اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں' میں سمجھی تھی سب سو رہے ہیں۔ تم اتنے دن سے کہاں تھے؟'' اس نے بتانے کے ساتھ ہی پوچھ بھی ڈالا' تو وہ اس کی جانب شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

''کیوں دل اداس ہو گیا تھا کیا؟''

''شٹ اپ!'' وہ آنے والی مسکراہٹ کو دبا کر ہونٹ بھینچ گئی۔

"پھر کوئی کام تھا کیا؟" وہ پھر پوچھنے لگا' اور تب وہ سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔ پھر اس کے چہرے پر پھیلی دلفریب مسکراہٹ کو دیکھ کر جلدی سے بولی۔

"دراصل اس روز کے ماموں جان کے الفاظ میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بنے رہے' مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم......"

"خودکشی ہی نہ کرلوں' ہیں ناں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر ہنسنے لگا۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔ "ثوبان قریشی اتنا بزدل ہرگز نہیں ریم بی بی۔ جو ذرا ذرا سی پریشانیوں اور تکلیفوں سے گھبرا جائے۔ خدا نے اگر اسے پہاڑ جیسا مضبوط اور فولادی وجود دیا ہے' تو اس سے کئی گنا مضبوط دل بھی عطا کیا ہے۔"

ریم نے اس کی جانب دیکھ کر نظریں نیچی کرلیں۔

"اسکول سے سیدھی آئی ہو کھانا لاؤں؟"

"نہیں کھانا میں گھر جا کر کھاؤں گی' بس تم ایک گلاس پانی پلا دو۔" وہ اٹھ کر فریج سے بوتل نکال لایا اور پانی گلاس میں ڈال کر اس کی سمت بڑھا دیا' جسے اس نے لے کر ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار لیا۔

"باہر بہت گرمی ہے نا؟" وہ اس کی تر پیشانی کو دیکھتے ہوئے پنکھے کی اسپیڈ تیز کرنے لگا۔

"ہاں پہلے میں سیدھی گھر ہی جانے والی تھی' مگر پھر سوچا پہلے تمہاری خیریت معلوم کرلوں۔" وہ بولی تو وہ یکدم اسے بغور تکنے لگا' اور وہ جیسے اس کی نظروں سے خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں اب۔ امی انتظار کررہی ہوں گی۔" وہ اس کی کیفیت کو بھانپ کر دلکشی سے مسکرا دیا۔

"بیٹھو نا ابھی تو آئی ہو۔" پھر نہایت شرارت سے جھک کر بولا۔ "اگر تم اکیلی ہونے کے باعث خوفزدہ ہورہی ہو تو میں اماں کو اٹھا دوں؟" وہ جواب میں گھورنے لگی تو وہ ہنستا چلا گیا' پھر بولا۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی' اور پھر اس کی سنگت میں چلنے لگی۔

"ریم! کیا تم بھی خواب دیکھتی ہو؟" وہ اچانک بولا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی تھی' اور وہ سامنے موجود ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔ تب وہ بھی دھیمی آواز میں بولی۔

"ظاہر ہے۔ جب ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے تو پھر میں کیوں محروم رہوں۔"

"کیسے خواب دیکھتی ہو تم؟"

وہ اس کی سمت دیکھنے لگی' پھر یکدم مسکرا دی۔

"کون سے والے خوابوں کی بات کررہے ہو' نیند والے یا جاگتی آنکھوں والے؟"

"نیند والے خواب ہم دیکھنے پر قدرت نہیں رکھتے' وہ خود بخود آتے ہیں' میں جاگتی آنکھوں کے خواب پوچھ رہا ہوں۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہوئے بولا تو وہ بولی۔

"میرے خوابوں کی عمارت اتنی بلند و بالا نہیں' اور نہ ہی ان کا حصول مشکل ہے۔ بہت سادہ اور عام سے خواب ہیں میرے۔" وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی دھیمے لہجے میں بولی۔

"ویسے ہی عام سے خواب' جو پاکستان کی تقریباً ہر لڑکی دیکھتی ہے۔ بلکہ مشرق کی تمام بیٹیوں کی آنکھوں میں یہ خواب ازل سے ابد تک جھلملاتا رہتا ہے۔ ایک گھر ہو' دریچہ ہو......"

"اور......" وہ شرارت سے تکنے لگا' تب وہ جھینپ گئی اور مزید کچھ نہ بولی۔ گھر آیا تو چپ چاپ دہلیز پار کرگئی۔ وہ جب باہر ہی کھڑا رہا' تب وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں شام کو آؤں گا۔" وہ بولا اور پھر اسے ایک نظر مسکراتی آنکھوں سے دیکھ کر واپس پلٹ گیا۔ تب ریم بھی دروازہ بند کر کے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

اس دن وہ اسکول میں تھی' جب دس بجے پیون نے آکر اچانک اطلاع دی کہ کوئی گھر سے لینے آیا ہے۔ وہ یکدم پریشان ہو کر اسٹاف روم کی سمت بھاگی' اور سامنے ثوبان قریشی کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر پوچھ ڈالا۔

"تم...... یہاں...... گھر میں خیریت تو ہے نا۔ سب ٹھیک ہے نا؟" اسے وہ لمحہ یاد آیا جب تین سال پیشتر ثوبان ابو کے انتقال کی خبر لے کر آیا تھا' اور اب......

اس کا دل بے حد خوفزدہ ہو چکا تھا۔ مگر ثوبان کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ پاس بیٹھی اس کی کولیگ اسماء بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

"ہاں بھئی سب خیریت ہے۔" وہ مسکرا کر بولا' مگر اس کا تاثر پھر بھی نہ بدلا۔

"امی تو ٹھیک ہیں' حمزہ تو......؟"

"سب ٹھیک ہیں بھئی۔" وہ اردگرد ایک نظر ڈال کر آہستہ سے بولا۔ "تم پرس اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ۔"

"مگر......"

"سب ٹھیک ہے نا۔ چہرے کا زاویہ کیوں بگاڑ رہی ہو' پہلے ہی کیا کم بدصورت ہو۔" وہ اگرچہ دانت بھینچ کر نہایت دھیمی آواز میں بولا تھا' مگر اس کے باوجود قدرے فاصلے پر بیٹھی اسماء کے کانوں تک اس کی آواز پہنچ گئی تھی' اور وہ مسکرائی بھی تھی' اس کے جملے پر۔

ریم نے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر آگے بڑھی اور ٹیبل پر سے اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ پھر چٹی اور پرس وغیرہ اسے تھما کر دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمانے لگی۔ تب ہی اسٹاف روم میں اس کی کولیگ لبنیٰ داخل ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" ایک نظر دروازے میں ایستادہ بلو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس لمبے چوڑے مضبوط سراپا کے مالک بے نیاز نظر آتے شخص پر ڈالی' پھر ریم سے پوچھنے لگی۔ وہ کیا کہتی' بے ساختہ ثوبان کی سمت دیکھنے لگی اور تب لبنیٰ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک ادا سے جھٹک کر ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا "ڈیٹ" پر جا رہی ہو؟" ریم یکدم بوکھلا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔ تب لبنیٰ پلٹ کر ثوبان کی طرف ایک نگاہ ڈالتی ہوئی دوبارہ اس کی سمت گھومی۔

"ساتھ جانے والی پرسنالٹی تو بلاشبہ زبردست ہے۔ "ڈیٹ" کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" اس کا انداز بے باک اور شرارت سے پُر تھا۔ ثوبان بھی متوجہ ہو گیا تھا' اور ریم جانے کیوں اس لمحے خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

"میرے کزن ہیں وہ اور جس طبقے سے ہمارا تعلق ہے اس میں......"

"ہاؤ فنی یار۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔" وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو ایک نظر دیکھ کر ہنسی پھر مسکرا کر بولی۔

"اپنے کزن سے کیا میرا تعارف نہیں کراؤ گی؟"

"یہ میرے کزن ہیں ثوبان قریشی اور ثوبان یہ میری کولیگ لبنیٰ۔"

ثوبان نے سر سے پاؤں تک اسے بغور تکا پھر مسکرا دیا۔

"گلیڈ ٹو میٹ یو۔" تب وہ ماڈ سی نظر آنے والی لڑکی یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ "وہ کسی شاعر نے شاید ہمارے لیے ہی کہا ہے۔

ہم سے ملنے کی جستجو کرنا!
ہم سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کچھ ایسا ہی دعویٰ ہم بھی کرتے ہیں۔" ثوبان کا انداز شاہانہ تھا۔ لبنیٰ نے اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔

"پھر تو آپ سے تفصیلی ملاقات کرنا پڑے گی۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ ریم ہونٹ کاٹتی ہوئی سر جھکائے رہی۔ ثوبان کی نظریں بھی تو کیسی چپک کر رہ گئی تھیں اس پر۔ وہ تب ہی اپنے پیچھے دلچسپی سے تمام صورتحال کو تکتی اسماء کی سمت گھومی۔

"ثوبان' ان سے ملو۔ یہ اسماء وجاہت ہیں۔" تب اس نے اس کی سمت دھیرے سے دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ پھر اس کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا خیال ہے چلیں؟" ثوبان کی نظریں پھر لبنیٰ کے سراپا سے الجھنے لگی تھیں۔

"ہوں۔" وہ بولی اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر جلدی سے اسے لے کر باہر نکل آئی۔ عمارت سے باہر نکلنے تک اس نے کوئی بات نہ کی۔ موڈ جانے کیوں بے حد آف ہو چکا تھا۔ تب ہی باہر نکلی تو سامنے کھڑی سرخ گاڑی کو دیکھ کر بھی نہ پوچھ سکی کہ یہ کس کی ہے۔ بس چپ چاپ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ثوبان قریشی نے ایک نظر مسکرا کر اسے دیکھا' مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ بازو کھڑکی پر دھرے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

وعدے نہ ہوں' قسمیں نہ ہوں
شرطیں نہ ہوں' رسمیں نہ ہوں
پیار میں پیار ہی پیار ہو!
لا لا لا...... لا لا لا...... لا

ثوبان ساتھ ساتھ گنگنانے لگا۔ وہ اضطرابی انداز میں ہونٹ کاٹتی رہی۔

نہ کوئی روٹھے اور نہ منائے
بس ایک دوجے پہ دھڑکن لٹائیں
کھوئے رہیں صنم ہم تو!
پیار میں پیاری پیار ہو

"اچھا گیت ہے نا؟" اس کے پھولے پھولے سے چہرے کو دلچسپی سے تکتے ہوئے پوچھا۔ اس نے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے سر ہلا دیا۔ "ناراض ہو؟" بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواب پھر سر ہلا کر دیا گیا۔ اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

"پھر چپ کیوں ہو؟"

"میری مرضی۔" وہ بولی پھر گاڑی کو ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکتے دیکھ کر چونک گئی۔

"یہ تم کہاں لے آئے ہو؟"

"اطمینان رکھو۔" علاقہ غیر نہیں ہے۔"

"مگر۔"

"چلو اترو اب۔" اس نے اتر کر اس کی سمت کا دروازہ کھول دیا۔ تب وہ بادل نخواستہ اتر آئی۔ ثوبان نے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر اعتماد کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا اسے لے کر اندر داخل ہونے لگا۔ ایک خالی میز کے قریب جا کر وہ رکا۔

"تم بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ بولا اور پھر مڑ کر غائب ہو گیا۔ ریم بیٹھ کر گلاس ڈور کی سمت دیکھنے لگی۔ جہاں ابھی ابھی ثوبان غائب ہوا تھا۔ شہر کا بہت مشہور و معروف ریسٹورنٹ تھا یہ۔ ریم نے اردگرد ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر جائزہ لیا۔ تب ہی ثوبان پشت پر ہاتھ باندھے اس کی طرف آ گیا۔

"کیا ہو رہا ہے' یہ آخر تم مجھے یہاں کس لیے لائے ہو؟" وہ تیز لہجے میں بولی' مگر اسی پل ثوبان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی' پھر مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ حیرت سے تکنے لگی۔ تب اس نے پیچھے سے ہاتھ نکال کر سامنے کیا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا بے حد خوب صورت اور نفیس بوکے تھا۔ سائیڈوں پر گرین پتے' گلابوں کی دلکشی میں بے پناہ اضافہ کر رہے تھے۔

"یہ......؟" ریم الجھ کر بولی۔

"مِنی مِنی ہیپی ریٹرن آف دی ڈے۔" اس کا دھیما لہجہ جذبوں کے بے پناہ گلاب لٹاتا تھا۔ ریم کتنی ہی دیر بے یقینی سے تکتی رہی پھر حیرت سے بولی۔

"تمہیں کیسے یاد رہا؟"

"بس رہ گیا۔" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"مگر مجھے تو اپنی برتھ ڈے بالکل بھی یاد نہ تھی۔"

وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "تم نے صرف اس مقصد کے لئے میرا اتنا قیمتی وقت برباد کیا۔ مجھے اسکول سے اٹھا لائے اور......" تبھی وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"کیا تمہارے نزدیک ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی کوئی قیمت نہیں؟"

"مگر تم کو اتنا فضول کا خرچا کرنے کی کیا ضرورت تھی' اور یہ سب پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟"

"چوری کی ہے' ڈاکہ ڈالا ہے۔" وہ برہم ہو کر بولا' تو ریم ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی۔

"یہ سب کرتے وقت کتنا خوش تھا میں۔ اس امید کے ساتھ کہ تم یہ سب دیکھو گی' اور خوش ہو گی کہ' مگر تم......!" وہ تیز مگر دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے بولا اور چہرہ موڑ لیا۔ اس کی ناراضی کے خیال سے ہی ریم کی روح دہل گئی۔ فوراً نظر اٹھا کر دیکھا۔ دھیرے سے مسکرائی۔

"تھینک یو۔" مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہ ہوا۔ تب ریم نے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ناراض ہو گئے ہو؟ چلو سوری۔ اب بولو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

ثوبان نے اسے ایک نظر دیکھا' وہ اس کی سمت دیکھ کر مسکرا رہی تھی' تب وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔

"او کے۔" ویٹر آیا تو اس نے اپنی پسند سے آرڈر دے دیا۔ "پتا ہے تم آج کے دن سوا گیارہ بجے پیدا ہوئی تھیں' اور میں چاہ رہا تھا کہ اسی وقت تمہیں وش کروں۔"

"کیوں؟" دل سے بے ساختہ صدا ابھری' مگر لبوں تک نہ آ سکی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور وہ بولتا گیا۔

"انسان کی زندگی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہی خوب صورت بنتی ہے' چھوٹی چھوٹی

باتوں کو لمحوں کو اگر ہم فراخ دلی کے ساتھ کیش کرواتے رہیں تو زندگی حقیقی معنوں میں دلکش ہو جاتی ہے۔" وہ بولتے بولتے ایک دم رکا' پھر چونک کر جیب میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

"یہ تو تمہارا گفٹ۔" ریم نے سر اٹھا کر دیکھا بہت دلکش ریپر میں کوئی شے نفاست سے پیک تھی۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے تھامتے ہوئے پوچھا۔

"کھول کر دیکھ لو۔" وہ مسکرایا۔ مگر اس نے عمل نہیں کیا اور یونہی بیٹھی رہی۔

"کھولو نا۔"

"نہیں گھر جا کر دیکھوں گی۔"

"تنہائی میں؟" وہ مسکرایا اور خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔ پھر چونک کر بولی۔

"یہ گاڑی کس کی ہے اور تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟"

تب ہی ویٹر آ گیا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔ وہ آرڈر سرو کر کے چلا گیا' تب ریم نے اپنی بات دوبارہ دہرائی۔ وہ گہرا سانس لے کر خاموشی سے دیکھنے لگا۔

"تم آم کھانے سے غرض رکھو پیڑ گننے سے نہیں۔" وہ کہہ کر چائے کے سِپ لینے لگا۔

"پھر بھی؟" وہ ہر صورت جاننا چاہ رہی تھی۔ تب وہ اکتا کر بولا۔

"گاڑی ایک دوست کی ہے اور پیسے میری حق حلال کی کمائی کے ہیں۔ کچھ مزید بھی پوچھنا ہے یا جو جاننا چاہتی ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ ریم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نوکری کب ملی تمہیں؟"

"نوکری نہیں ملی۔"

"پھر؟"

"بابا ٹیوشن کر رہا ہوں آج کل۔ بس یا کچھ اور۔" وہ جل کر بولا تو وہ گھورنے لگی۔

"اس طرح کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو؟"

"تم بھی تو الٹے سیدھے سوال پوچھ رہی ہو۔"

ترکی بہ ترکی جواب آیا تھا۔

"الٹے سیدھے کہاں' میں تو......"

"چلو بس کرو۔ ہم یہاں لڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں آئے۔ اب یہ حال ہے تو آگے جا کر پتا نہیں کیا ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ریم جھینپ کر سر جھکا گئی۔

اور جب وہ واپس باہر نکلے تو موسم بے پناہ دلکش ہو رہا تھا۔ بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

"دیکھو موسم بھی تمہیں وش کر رہا ہے۔ معطر ہوائیں تمہیں جنم دن پر مبارک کہہ رہی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ ہنس دی۔

"یہ سیلی بریشن یادگار ہوگی میرے لئے' تاحیات۔"

ثوبان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا' اور وہ جو ہاتھ اس کی گرفت میں آنے پر پہلے ہی کنفیوز ہو گئی تھی' تب بے تحاشا چونک کر دیکھنے لگی۔ مگر اس کی آنکھوں میں شاید کچھ تھا' جو زیادہ دیر دیکھ نہ سکی۔ اور دوسرے ہی پل سر جھکا گئی۔ وہ ہنس دیا۔ تب ہی اس نے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

اس کی پرتپش نظریں اس کے چہرے کو گویا جھلسانے لگیں۔ تب ہی وہ جلدی سے بولی۔

"پلیز تیز چلاؤ نا۔" پھر راستوں پر دھیان دیا تو مزید چونک گئی۔

"یہ تم اب کہاں لے کر جا رہے ہو؟ گھر چلو بھئی۔"

"ابھی صرف بارہ بجے ہیں' اور کم از کم تین بجے تک ہم ساتھ رہیں گے۔"

"مگر امی کو پتا نہیں اور۔"

"میں بتا کر آیا تھا۔" اس نے جھوٹ بولا۔ مگر وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے اصل جان گئی۔

"جھوٹ مت بولو۔ گھر چلو۔"

"میں جھوٹ تو نہیں بول رہا۔" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر مسکرایا۔

"اب آنکھیں چرانے سے کوئی فائدہ نہیں' میں سچ پڑھ چکی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا' صرف یہی سچ؟ کچھ اور نظر نہیں آیا تمہیں؟" وہ شرارت سے مسکرا کر بولا تو وہ سر جھکا کر ناخنوں پر لگی کیوٹکس کو دیکھنے لگی اور ثوبان قریشی کے لبوں پر رقص کرتی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

رات جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں سونے کے لئے آئی تو یکدم صبح والا

حسین منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ تازہ گلابوں کی مہک سے یکدم ہی کمرا معطر ہو گیا۔ تب اس کے لبوں کو ایک دلکش تبسم چھو گیا۔ اٹھی اور آہستہ سے پرس میں سے اس کے دیے گئے گفٹ کو نکالنے لگی۔ پیکٹ کھولا تو ایک ننھا منا سا کارڈ پھسل کر نیچے جا گرا۔ اس نے دھیان دیئے بغیر پیکٹ میں سے برآمد ہونے والی نازک سی گولڈن رسٹ واچ کو دیکھا' جس کی سوئیاں سوا گیارہ پر ٹھہریں ہوئی تھیں۔ وہ کتنے ہی پل ساکت سی دیکھتی رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے سر جھٹک کر کارڈ اٹھا لیا۔

My Best Friend

کارڈ کی پیشانی پر سنہری حروف میں تحریر تھا۔ جانے کیوں اس کے ہاتھ لرز رہے تھے' اور دل دھڑکنوں کی مدہوش کن لے پر کئی ترانے گنگناتی محسوس ہو رہی تھی۔

دل میں یہاں سے وہاں تک کوئی خوشبو سی پھیلتی چلی گئی۔ اس نے کارڈ اور گفٹ کو لفافے میں ڈال کر الماری کے لاکر میں رکھا' پھر پلنگ پر آن لیٹی۔ ایک عکس اپنی پوری آن بان کے ساتھ مسلسل پلکوں کی چلمن پر ایستادہ دلربا لفظوں کے مدھر گیت چھیڑتا رہا تھا۔

محبتوں کی وحی پڑھتا رہا۔

وہ مسکراتی ہوئی کروٹ بدل گئی۔ مگر تب بھی یہ تسلسل ٹوٹا نہیں۔ تخیل کا رنگ اور بھی گہرا ہوتا چلا گیا۔

دھڑکنیں انوکھے سروں کے راگ الاپنے لگیں۔ تب وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور پھر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ چیت کا چاند عین آسمان کے وسط میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر بے خودی میں اسے دیکھتی رہی' پھر جیسے اس چاند میں ایک چہرہ ابھرنے لگا۔ مسکراتا' چمکتی صاف و شفاف جذبے لٹاتی نگاہوں والا تر و تازہ چہرہ۔

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں

یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم
یا ہلکے سکھ کی برساتیں
سبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی!!

اندر کہیں جیسے سرگوشیاں سی ہونے لگیں۔ تب اس نے سر جھٹکتے ہوئے تمام کیفیات کو جیسے جھٹکنا چاہا' اور پھر کھڑکی بند کر کے دوبارہ پلنگ پر آن لیٹی۔ لیمپ آف کرتے کرتے اس نے ایک نظر کلاک کو دیکھا تو جان لرز گئی۔ نصف شب وہ اسی خیال کو سوچتے ہوئے گزار چکی تھی' اور صبح اسے جلدی اٹھ کر اسکول بھی جانا تھا۔ تب اس نے جلدی سے لیمپ آف کیا۔ سر تک چادر تان لی اور سختی سے آنکھیں میچ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

✦ ◈ ✖

اس روز بسوں کی اسٹرائیک تھی۔ وہ آتو جیسے تیسے گئی تھی' مگراب جانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ لیلی اس کی صورت سے اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی' تب ہی دوستانہ انداز میں بولی۔

"تمہیں میں ڈراپ کردوں؟" وہ جواب میں خاموشی سے دیکھنے لگی۔ تب وہ مسکرادی اور ساتھ ہی بولی۔

"مجھ پر اعتبار کرو بھئی' تمہیں اغوا ہرگز نہیں کروں گی۔ یوں بھی میں خاصی بے ضرر سی لڑکی ہوں۔ اپنی ذات میں مست رہنے والی۔ دوسرے کیا کررہے ہیں؟ کیوں کررہے ہیں مجھے اس سے قطعی کوئی سروکار نہیں ہوتا۔"

ریم نے سراٹھا کر اسے ایک نظر دیکھا' پھر دھیرے سے مسکرادی' اور ساتھ ہی اس کے ساتھ چلتی ہوئی اس کی نیو ماڈل کی سلور گرے گاڑی کی طرف چلی آئی۔

"ایک بات پوچھوں؟" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہوئے اس نے لیلی کی سمت دیکھا۔ جواب میں اس نے ریم کو سیاہ سن گلاسز کے پیچھے سے دیکھا' پھر اے سی کی کولنگ بڑھاتے ہوئے اثبات میں سرہلادیا۔

"یہ چار پانچ ہزار کی جاب تم آخر کس شوق کی تسکین میں کررہی ہو۔ جبکہ دیکھنے میں تم قطعی ضرورت مند نہیں لگتیں۔"

جواب میں لیلی نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر مسکرادی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میں "ضرورت مند" نہیں ہوں؟"

"تمہارا ظاہر چیخ چیخ کر یہ راز افشا کررہا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تو وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی' اور ریم کو اس کی یہ ہنسی بے حد کھوکھلی محسوس ہوئی۔ تب ہی وہ گویا ہوئی۔

"میرے پاس سب کچھ ہے' مگر سکون نہیں ہے۔ اور اسی کی تلاش میں' میں نگری نگری

پھر رہی ہوں۔" اس کا لہجہ یاس بھرا تھا۔ ریم نے اس کی سمت دیکھا' مگر اس کے تمام تاثرات سیاہ چشمے کے پیچھے چھپے رہ گئے۔ وہ مکمل توجہ کے ساتھ ونڈ اسکرین کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"پہلے امریکہ میں نگر نگر گھومتی رہی اور اب یہاں۔ مگر ڈیڑھ سال کی تلاش کا حاصل فقط صفر ہے۔ اب سوچتی ہوں تو ہنسی بھی آتی ہے کہ جب بائیس سال تک امریکہ اور یورپ گھوم کر نا کام رہی ہوں تو اس چھوٹے سے ملک میں بھلا کہاں تقدیر کا سورج چمکے گا۔" اس بظاہر شوخ و شنگ نظر آنے والی لڑکی کا لہجہ کسی بہت گہرے کرب کی غمازی کررہا تھا۔ تب ہی وہ دوستانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"کوئی مسئلہ؟"

لیلی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر مسکراتی ہوئی یکدم نفی میں سرہلانے لگی۔

"تم مجھے اپنا دوست جان کر دل کا بوجھ ہلکا کرسکتی ہو۔" ریم نے دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ تب ہی سگنل پر گاڑی رکی تو لیلی اس کی سمت دیکھنے لگی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئی۔ سگنل کھلا تو اس نے تیزی کے ساتھ گاڑی آگے بڑھادی۔ پھر تلخی سے مسکرائی۔

"میری کہانی خاصی طویل اور لمبی چوڑی ہے اسے سننے کے لئے وقت بھی اتنا درکار ہے' اور تمہاری منزل آگئی ہے۔" اس نے مین روڈ سے گاڑی اندر موڑی۔ تب ریم نے اسے آگے کا راستہ سمجھایا اور کچھ لمحوں بعد گاڑی اس کے گھر کے گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

"اندر آؤنا!" ریم نے مسکراتے ہوئے کھڑکی میں جھک کر پرخلوص دعوت دی' مگر وہ نفی میں سرہلانے لگی۔

"نہیں' پھر کبھی سہی۔ ابھی ذرا جلدی میں ہوں۔"

"صرف چند پل کے لئے ہی سہی اندر تو چلو۔ میں تمہیں امی سے ملواؤں گی۔ وہ یقیناً تم سے مل کر خوش ہوں گی۔" وہ بولی تب لیلی نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے آنکھوں سے گلاسز ہٹائے' اور پھر گاڑی بند کرکے باہر نکل آئی۔

سفید کلر کے کاٹن کے سوٹ میں شولڈر کٹ بالوں کے ساتھ لیلی کی پرسنالٹی قابل رشک تھی۔ پاؤں میں ہائی ہیل کے سفید شوز' کاندھے پر رکھا کلف لگا اڑھائی گز کا دوپٹہ۔ دوسرے کاندھے پر نفیس سا لیدر کا سفید بیگ۔ سر پر گلاسز رکھے وہ بلاشبہ سب کو مرعوب کرگئی تھی۔ امی اس سے مل کر واقعی خوش ہوئی تھیں' اور اس کی وجہ اس کی ظاہری آن بان نہیں' بلکہ

اس کا عاجزانہ رویہ تھا۔ جس طرح اس نے انہیں جھک کر آداب کہا تھا' امی کو اس کا یہ انداز بہت پسند آیا تھا۔ سعدیہ اور نویرا جو بالترتیب آٹھویں اور پانچویں کلاس کی اسٹوڈنٹس تھیں' اس سے مل کر واقعی بے پناہ خوش ہوئی تھیں۔ سومیہ البتہ اپنی جلد نہ گھلنے والی طبیعت کے باعث زیادہ دیر پاس نہ بیٹھی تھی' اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

"ہمارا گھر بہت چھوٹا سا ہے۔ اس میں اتنی سہولتیں بھی نہیں۔" ریم نے اس کے ماتھے کو پسینے کے قطروں سے تربتر دیکھ کر پنکھے کی اسپیڈ بڑھائی۔ تب وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"گھر چھوٹا بڑا ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دل چھوٹا نہیں ہونا چاہیے۔ بعض اوقات گھر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں' مگر اس میں بسنے والے مکینوں کے دل اتنے ہی چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں۔" وہ ابھی بول ہی رہی تھی' جب ثوبان بے دھیانی میں پردہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ وہ غالباً یہی سمجھا تھا کہ اندر فقط "اپنے" ہوں گے مگر لیلی کو سامنے بیٹھا دیکھ کر اس نے سلام کیا' اور پھر وہیں سے پلٹ کر شاید اندر چلا گیا۔

"یہ تمہارا وہی ہینڈسم کزن ہے نا جس کے ساتھ تم اس دن؟" ریم نے اس کی بات پر قریب بیٹھی نویرا اور سعدیہ کو گھورا۔ اشارہ تھا کہ "یہاں سے ہٹ جاؤ" تب ہی وہ منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر سومیہ آئی اور چائے کے برتن رکھ کر چلی گئی۔ ریم اس کے لئے چائے تیار کر رہی تھی۔ جب اچانک لیلی بولی۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو نا؟" بات ایسی تھی کہ یکدم ریم کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر نیچے جا گرا' اور وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

جو بات خود سے بھی کبھی نہ کہی جائے' وہ اگر کسی اور کی زبان سے سنو تو شاید اسی طرح کا شاک لگتا ہے' جیسا کہ ریم کو اس وقت لگا تھا۔ اس نے یہ بات آج تک خود سے بھی چھپائی تھی اور آج.....

"کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ غلط پوچھ لیا؟" لیلی نے نہایت شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی' تو اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا' پھر چائے کا کپ اسے تھما دیا اور ساتھ ہی نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"تم کو یہ احساس کیسے ہوا؟"

"بعض دیکھنے والے قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں۔ ویسے سچ ہے نا؟" لیلی مسکرائی تو تب

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پتا نہیں آج تک ہماری اس ٹاپک پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی۔ اس نے کبھی کچھ نہیں کہا' اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی ایسا اظہار کیا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی تو لیلی ہنس پڑی۔

"احمق' محبت کا اظہار کرنے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ یہ جذبہ اپنا آپ خود منواتا ہے۔ ویسے حیرت ہے تمہیں کیونکر خبر نہ ہوئی' جب کہ میں تو پہلی مرتبہ دیکھ کر ہی جان گئی تھی کہ جھوٹ بول رہی ہو ورنہ تمہارا چہرہ......"

ریم نے ہونٹوں پر اچانک در آتے والے مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے ہونٹ بھینچ لیے' اور مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔ تب وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پھر چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی حالانکہ امی کا اصرار تھا کہ وہ کھانا کھا کر جائے' مگر پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔

"یہ موصوفہ یہاں کیا کرنے آئی تھیں؟" وہ لیلی کو دروازے تک چھوڑ کر واپس پلٹی تھی۔ جب وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ تب وہ جواب دیے بغیر دیکھنے لگی' تو وہ دوبارہ مسکرا کر بولا۔

"اس روز تو جل کر کباب ہو گئی تھیں۔ آج موصوفہ کو ساتھ کس خوشی میں اٹھا لائیں۔"

"تمہیں کس نے کہا کہ میں جل کر کباب ہو گئی تھی۔ میں کیونکر بھلا جلتی اور کس بات پر؟" وہ انجان بنتے ہوئے اعتماد سے بولی' تو وہ اسے دیکھتا ہوا نہایت دلکشی کے ساتھ مسکرا دیا۔

"لوگوں کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے کیا؟ حالانکہ ابھی 6 اگست کو زیادہ دن تو نہیں گزرے۔"

اس کے شرارت سے پر انداز پر یکدم ریم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' جسے چھپانے کے لئے وہ سر جھکا گئی۔ پھر دوسرے ہی پل اسے پرے دھکیل کر آگے بڑھ گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سب سو رہے تھے۔ وہ کھانا کھانے کے بعد سوتی نہیں تھی' بلکہ کچھ دیر تک چہل قدمی کرتی اور پھر اسکول کا کوئی کام لے کر بیٹھ جاتی یا یونہی کوئی اچھی سی کتاب پڑھنے میں مشغول ہو جاتی' اب بھی وہ اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھا کر حسب معمول لیٹ کر کتاب پڑھ رہی تھی' جب وہ آ گیا۔

"سب سو رہے ہیں کیا؟ دروازہ بھی کھلا چھوڑ رکھا ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور قریب رکھا

دوپٹہ اٹھا کر سلیقے سے اوڑھ لیا۔

"ہاں وہ حمزہ باہر گیا تھا۔ میں شاید بند کرنا بھول گئی۔" اسے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا' تب وہ پوچھنے لگا۔

"باقی سب کہاں ہیں؟"

"حسب معمول سو رہے ہیں۔"

"اور تم حسبِ معمول جاگ رہی ہو۔" وہ مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔ تب ہی اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے ایک شاپر اس کی سمت بڑھایا۔

"کیا ہے؟" اس نے تھامتے ہوئے پوچھا۔

"سینڈل ہے' آئندہ جب بارش ہو تو اسے اتار کر ہاتھ میں مت پکڑنا بلکہ پہنے رکھنا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔ پھر خفت مٹانے کو بولی۔

"اتنی پرانی بات ہوگئی' اور تم اب فکر مند ہو رہے ہو؟"

"ریم بی بی فکر مند تو میں اس دن بھی بہت ہوا تھا' مگر اس وقت میری جیب میں پیسے نہیں تھے اور اب۔"

"مگر وہ زخم تو کب کا مندمل ہوگیا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی' تو وہ خاموش نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"بعض زخم ایسے بھی ہوتے ہیں محترمہ جو لگتے کسی اور کو ہیں' اور ان کا درد کوئی اور محسوس کرتا ہے۔ وہ زخم اگرچہ مندمل ہو چکا ہے' مگر اس لمحے کی تکلیف اب بھی میرا دل پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔" اس کی پرتپش نظروں نے اس کے چہرے کے گرد ایک حصار قائم کرلیا' تو وہ چہرے کا رخ پھیر گئی۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔

"بہت شاہ خرچیاں کر رہے ہو ان دنوں' کیا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟" اس نے اس کی بات سنی پھر دلفریب انداز میں مسکرا دیا۔

"جس کے پاس محبت کا خزانہ وافر مقدار میں موجود ہو' اسے بھلا کسی اور خزانے کی کیا حاجت۔"

"تم چائے پیو گے۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہنس دیا۔

"ہوں بشرط کہ تم چاہت سے پلاؤ۔" وہ سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

✦◈✖

لبنیٰ حبیب ان کے اسکول میں تقریباً چھ ماہ قبل آئی تھی' تو اس کے متعلق اس کا تاثر یہی تھا کہ وہ کوئی بہت مغرور سی اپنے آپ میں مگن رہنے والی امیر زادی ہے' مگر پھر آہستہ آہستہ اس کی طبیعت کی شوخی ریم پر کھلتی چلی گئی۔ وہ اکثر کولیگز کے ساتھ ہنسی مذاق اور شگفتہ جملے کہتی نظر آتی۔ مگر ریم جانے کیوں اس کی سمت بڑھ نہ سکی۔ حالانکہ اوروں کی طرح اس کا رویہ ریم کے ساتھ بھی دوستانہ اور بے تکلف تھا' مگر شاید اس میں دخل ریم کی اپنی ریزرو طبیعت کو بھی حاصل تھا۔ کہ وہ بہت جلد کسی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس روز جب وہ اسے گھر چھوڑنے آئی تب ریم نے اس کے لہجے میں چھپی محرومیت کو واضح انداز میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا' کہ اب اگر لبنیٰ اس سے کوئی بات کرتی تو نہایت توجہ کے ساتھ سنتی' بے تکلفی سے بات چیت کرتی' اور اس سے ریم پر ظاہر ہوا' کہ وہ دراصل ویسی لڑکی نہیں تھی' جیسا اس نے قیاس کیا تھا۔ وہ اس کی سوچوں سے یکسر مختلف تھی۔

ان کا اسکول شہر کے کھاتے پیتے علاقے میں واقع تھا۔ پوری عمارت میں وال ٹو وال کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ عمارت مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ تھی' اور شہر کے امیر و رؤسا کے بچے یہاں پر پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اسٹاف بھی خاصا رکھ رکھاؤ والا تھا۔ تقریباً سب کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہی تھا۔ بس وہی کچھ معمولی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اپنے رکھ رکھاؤ اور پہناوے کی بدولت وہ ان سے بھی خاصی "اپر" نظر آتی تھی۔ ایک ہی شوق تھا اسے اور وہ تھا روز نت نئے فیشن کے جدید تراش خراش کے ملبوسات تیار کر کے پہننا۔ اسے کسی طرح کا بھی احساس کمتری لیل نہیں ہوا تھا۔ مگر لبنیٰ کو دیکھ کر اسے جانے کیوں لگا تھا' یہ کسی امیر گھرانے کی بگڑی ہوئی رئیس زادی ہے۔ جو محض وقت پاس کرنے کے لئے یہ جاب کر رہی ہے' اور ممکن تھا اس کا یہ تاثر ہمیشہ برقرار رہتا۔ اس دن اس پر اس کی اصلیت کھل گئی' اور تب اسے لگا کہ وہ درحقیقت ویسی نہیں ہے' بلکہ بے حد مختلف ہے۔

تب ہی اس دن' جب وہ اسے اپنی برتھ ڈے کا کارڈ دینے آئی' اور سختی سے آنے کی تلقین بھی کرگئی تو اس کے لیے جانا ناگزیر ہوگیا۔ امی سے اجازت لے کر وہ حمزہ کے ساتھ اس کے گھر روانہ ہوگئی۔ حمزہ نے اسے گیٹ پر ہی اتارا' اور پھر واپسی کا وقت معلوم کر کے اپنی بائیک اڑا لے گیا۔ تب وہ مڑ کر گو مگو کی کیفیت میں وسیع و عریض عمارت کو دیکھنے لگی۔ لبنیٰ

حبیب آ گئی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ ناں بھئی!" وہ اسے تھام کر اندر لے گئی۔ اس کی اور بھی کئی کولیگز آئی ہوئی تھیں۔ لیلیٰ کچھ دیر تک تو کھڑی اس سے باتیں کرتی رہی، پھر ایکسکیوز کر کے دوسرے لوگوں کی طرف بڑھ گئی۔ تب وہ اپنے اسٹاف ممبران کی طرف چلی آئی۔ پھر ہنسی مذاق اور باتوں کے درمیان وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ کیک کٹا تو دس بج رہے تھے، تب ہی گیٹ کیپر نے آ کر بتایا کہ اسے کوئی لینے آیا ہے۔ وہ لیلیٰ سے اجازت لے کر گیٹ کی سمت چلی آئی۔ لیلیٰ اسے چھوڑنے گیٹ تک ساتھ آئی۔

"تم کچھ دیر اور رکتیں تو میں تمہیں اپنے ڈیڈی سے بھی ملواتی۔" وہ بولی تو ریم مسکرا دی۔

"پھر کبھی سہی۔ شاید حمزہ آ گیا ہے۔" وہ گیٹ پر پہنچی تو سامنے حمزہ کی بائیک پر ثوبان قریشی کو بیٹھے دیکھ کر چونک گئی۔

"حمزہ نہیں آیا؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"کیوں میں برا لگ رہا ہوں؟" وہ جل کر بولا تو لیلیٰ ہنسنے لگی۔ تب وہ اس کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"کیسے ہیں آپ؟" لیلیٰ نے پہل کی۔

"اے ون آپ سنائیں۔"

"ہم تو ہمیشہ اے ون رہتے ہیں۔ آپ اندر چلئے ناں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں، ابھی تو دیر ہو رہی ہے پھر کبھی سہی۔"

"آپ پہلی بار ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں اور باہر ہی سے واپس جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ اچھا فیل نہیں ہو رہا!" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی تو وہ سرخ جارجٹ کی ساڑھی میں ملبوس وجود کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر دھیرے سے مسکرایا۔

"آپ کا شکوہ بجا ہے، مگر اب دیر ہو رہی ہے۔ مزید ٹھہرنا ممکن نہیں اور......" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا۔ ریم دھم سے اس کے پیچھے جا بیٹھی اور لیلیٰ کو ہاتھ ہلا کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"جلدی چلو اب۔" دانت پیس کر بولی، تو اس نے لیلیٰ کی سمت مسکراتی نگاہ سے دیکھتے

ہوئے بائیک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"یہ تم اپنے لمبے ناخن میرے معصوم سے کندھے میں چبھو کر کس جرم کی سزا دے رہی ہو؟" مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ "ریم صاحبہ! آپ موجود ہیں ناں میرے پیچھے، کہیں آپ کی جگہ کوئی بدروح تو......"

مگر اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی وہ بول پڑی۔

"خبردار جو مجھے بدروح کہا۔"

"یہ مطلع اچانک ابر آلود کیوں ہو گیا ہے۔ حالانکہ کچھ دیر قبل جب رخ روشن اندر سے برآمد ہوا تھا تو موسم خاصا خوشگوار تھا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ اس کی پشت کو گھورنے لگی۔

"تم اسے ویسے کیوں دیکھ رہے تھے؟" اصل مدعا بیان کیا۔

"کیسے بھئی؟" وہ محظوظ ہو کر ہنسا۔

"معصوم چوزے مت بنو۔" وہ دانت پیس کر بولی، تو وہ ہنستا چلا گیا، وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

"اونچی آواز میں بولو مجھے آواز نہیں آ رہی۔" وہ چڑانے والے انداز میں بولا، مگر اس نے چپ ہو کر ہونٹ بھینچ لیے۔ تب وہ شرارت سے مسکرایا۔

"حسد کر رہی ہو؟" مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔ "سنو یار میری سمجھ میں نہیں آتا، جب میں کسی خوب صورت لڑکی کی طرف بغور دیکھتا ہوں تو تمہیں جلن کیوں ہونے لگتی ہے، کہیں تم......"

اس کا جملہ ابھی درمیان میں ہی تھا، جب ریم نے بہت زور سے اس کی پشت پر مکا دے مارا۔ اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا اور اسپیڈ بڑھا دی۔

اسپیڈ اتنی تھی کہ بائیک یکدم ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ تب ریم نے گھبرا کر اور بھی مضبوطی کے ساتھ اس کا شانہ تھام لیا۔

"اسپیڈ کم کرو ناں۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "ثوبان پلیز! میری دھڑکن تھم جائے گی۔" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولی تھی، اور یکدم بائیک رک گئی تھی۔ وہ پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"انسان کی اگر صورت اچھی نہ ہو تو اسے کم از کم بات تو اچھی ہی کرنی چاہیے۔"

تب اچانک ہی ریم کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔

''میرے مرنے سے بھلا کسی کا کیا نقصان ہوگا؟'' تب وہ جواب دیئے بغیر رخ پھیر کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

''اے ثوبان! ریم نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی پشت پر ہاتھ بجایا۔

''بھاڑ میں جاؤ۔'' دوسری سمت سے جلے ہوئے انداز میں جواب آیا۔

''کیا اکیلی؟'' وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ تب وہ آہستہ سے مسکرا دیا۔

''میری جان بہت قیمتی ہے اسے فضول میں ضائع نہیں کرسکتا۔'' اس کا موڈ بحال دیکھ کر ریم کی جان میں جان آئی۔

عجیب چاہنے والے تھے یہ۔ محبت بھی کرتے تھے بلندی کی انتہا تک اور اظہار کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔

شاید دونوں ہی ان کہی' جانتے تھے۔

ایک دوسرے کی سوچیں اور جذبے سمجھتے تھے۔ اور پھر ضروری تو نہیں جو چیز سمجھ میں آجائے خوامخواہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے۔

جب نظر سے نظر شناس تھی۔

جب دل سے دل قریب تھا تو

پھر لفظوں کے سہاروں کی کیا ضرورت تھی۔

اس شام ثوبان آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

''یہ کس خوشی میں؟'' ریم نے دیکھتے ہی پوچھا۔

''مجھے جاب مل گئی ہے۔'' وہ مٹھائی سومیہ کو تھماتے ہوئے بولا۔

''کتنے دن کے لئے؟'' وہ بولی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا' پھر ہنس کر بولا۔

''قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ویسے تمہیں کیا خوشی نہیں ہوئی؟''

''کیوں نہیں' سب سے زیادہ دعائیں میں نے ہی مانگی تھیں' تمہاری کامیابی کے لئے۔''

''ظاہر ہے تمہیں میرا قرض جو چکانا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔ سومیہ مٹھائی پلیٹ میں رکھ کے لئے آئی تو وہ ایک گلاب جامن اٹھاتے ہوئے بولی۔

''بائی دی وے جاب ہے کس نوعیت کی؟ پہلے کی طرح ہی یا تمہاری من پسند' افسری' کی۔'' وہ مسکرا دیا۔

''بس گزارہ ہے۔''

''ہاں کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔'' امی نے کہا تو اس نے فوراً تائید میں گردن ہلائی۔

''اب تو ماموں تم سے خوش ہوں گے' ہے نا۔'' وہ یونہی پوچھنے لگی۔

''پتا نہیں۔'' اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ ''شاید انہیں بھی تمہاری طرح اس کے جاری رہنے کا یقین نہیں۔''

''ہاں۔ تمہارا سابقہ رویہ کچھ تھا ہی ایسا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''ویسے میں بھی اب سوچ رہی ہوں یہ ٹیچری وغیرہ چھوڑ کر کوئی ڈھنگ کی جاب کروں۔ چار پیسے آئیں تو گھر کی حالت بھی بدلے۔ اب کے بارشوں نے بھی خوب تنگ کیا اور......'' وہ ابھی بول ہی رہی تھی کہ امی نے اسے گھورتے ہوئے ٹوک دیا۔

''تمہیں مستقل نہیں کمانا حمزہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا' تو دو بول پڑھا کر تمہیں بھی چلتا کردوں گی۔ تب تک کوئی اور فضول سوچ ذہن میں بھی مت لاؤ۔ یوں بھی ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے لئے اس پیشے سے زیادہ عزت دار پیشہ کوئی نہیں۔ آفس میں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کرنا مجھے قطعی پسند نہیں۔''

وہ غیر ارادی طور پر ہی سر اٹھا کر ثوبان کی طرف دیکھنے لگی' اور وہ جس انداز سے مسکرایا اس پر اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ پھر ناخنوں سے کیوٹکس کھرچتی ہوئی بولی۔

''امی کوئی بھی ماحول انسان کے لئے برا نہیں ہوتا۔ اسے خود انسان اپنے لیے اچھا یا برا بناتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آفس ورک کرنے والی لڑکیاں سبھی بری ہوتی ہوں' یا وہاں کے لوگ برے ہوتے ہوں اور ٹیچنگ معزز پیشہ ضرور ہے' مگر یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہی جاسکتی ہے کہ اس شعبے میں برے لوگ سرے سے موجود ہی نہیں۔ امی ماحول تو انسان خود بناتا ہے اور پھر زمانہ اب اتنی ترقی کر چکا ہے' عورتیں ہر جگہ' ہر مقام پر مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں اور......''

''ضروری نہیں کہ اور لوگ کنویں میں گر رہے ہیں' تو ہم بھی چھلانگ لگا دیں۔ پھوپھو

ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' ثوبان اس کی بات کاٹ کر بولا' تو وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور ابھی ثوبان قریشی کو جاب ملے مہینہ بھی نہیں ہوا تھا' جب عمر ماموں اور طاہرہ مامی اس کے لئے اس کا پروپوزل لے کر آگئے۔ گو اس دن اسے نہیں پتا تھا کہ وہ کس مقصد کے تحت آئے ہیں۔ وہ یونہی مگن سی ان کی خاطر مدارات کرنے میں لگی رہی تھی' پھر جب مامی نے جاتے ہوئے اسے گرم جوشی سے پیار کیا' تب بھی وہ نہیں چونکی' کیونکہ ان کا رویہ ریم کے ساتھ ہمیشہ بہت پُرشفقت اور محبت بھرا رہا تھا' اور اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ وہ شروع سے ہی ریم کے ساتھ بہت پیار و محبت سے پیش آیا کرتی تھیں۔

ان کے جانے کے فوراً بعد وہ برتن سمیٹنے لگی۔ سومیہ کے انٹر کے ایگزام ہو رہے تھے۔ سو وہ تیاری کر رہی تھی۔ اس نے سومیہ کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا' اور خود برتن دھونے بیٹھ گئی۔ پھر جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ بتیاں بجھا رہی تھی' امی نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ یہ بھی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی' کیونکہ وہ اکثر رات میں امی کے ساتھ بیٹھ کر دیر تک باتیں کیا کرتی تھی۔ تبھی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اب بھی ان کی پائینتی کی طرف جا بیٹھی' اور باتیں کرنے کے دوران دھیرے دھیرے انہیں دبانے بھی لگی۔ تبھی انہوں نے اچانک اصل مدعا بیان کیا تو کتنے ہی پل وہ گنگ سی بیٹھی رہی۔

ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔
آنکھیں ایک ہی جگہ جم گئیں۔
دھڑکنیں اپنے ہونے کی گواہی مانگنے لگیں۔
سماعتیں الگ ''بے یقین'' سی لگیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' امی نے اس کی تمام کیفیات سے قطع نظر پھر پوچھا' تو وہ چونک کر دیکھنے لگی اور وہ کہنے لگیں۔

''عمر بھائی اور بھابی تو فوراً ہی نکاح کی بات کر رہے ہیں۔ مگر مجھے اپنا گھر بھی تو دیکھنا ہے۔ بیٹی کا تو وہ حال ہے کہ ادھر بات منہ سے نکلی' اور ادھر پرائی ہوئی۔ تمہارے ابو نے جو فکس ڈیپازٹ کرایا تھا' اس کی مدت پوری ہونے میں پورے پانچ سال ہیں' اور کوئی ذریعہ ہمارا ہے نہیں۔ ان کی ملنے والی پنشن سے اور تمہاری تنخواہ سے مشکل سے گھر کا خرچا ہی نکلتا

ہے۔ فکس ڈپازٹ سے ماہانہ ملنے والی انکم بچوں کی پڑھائی پر صرف ہو جاتی ہے۔ اب رہ جاتی ہے میری سلائی کڑھائی کی اجرت' تو وہ معمولی سی رقم چھوٹے موٹے کاموں میں ہی خرچ ہو جاتی ہے۔ بیٹیوں کی ماؤں کو بہت کچھ سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ گو کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تو میں نے بنا کر رکھی ہوئی ہیں مگر ابھی تو بہت کچھ بنانا ہوگا' اور......''

''آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں امی۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' وہ یک دم کہنے کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی۔ امی کے لہجے میں پوشیدہ پریشانی اور رنج نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو یک دم معمول پر لا کھڑا کیا تھا۔

سب کچھ ''دل'' ہی تو نہیں ہوا کرتا۔
کچھ دماغ کی بھی تو ماننی پڑتی ہے۔
خود سے وابستہ اٹوٹ انگ جیسی ہستیوں کے لئے چھوٹے موٹے خواب تج دینا مشکل تو نہیں۔
اور پھر اپنی ذات ہی تو سب کچھ نہیں ہوا کرتی۔

''نہیں بیٹا' ایسے مت کہو۔ بیٹیاں پھول سہی' لیکن انہیں ہمیشہ کے لئے گھر میں نہیں رکھا جا سکتا۔ دیر یا بدیر کہیں نہ کہیں تو بات طے ہونا ہی تھی اور شکر ہے۔ خدا نے اتنا اچھا رشتہ خاندان میں ہی جوڑ دیا۔''

''مگر امی......!'' وہ نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی' تب انہوں نے دھیرے سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''تو فکرمند نہ ہو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ ''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

تب اس نے سر جھکا کر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''لیکن امی ضروری تو نہیں یہ سب اتنی جلدی ہو۔ میں ذہنی طور پر بھی ابھی اس کے لئے قطعی تیار نہیں' اور پھر آخر ان کو اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ ہم یا وہ کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں۔ اس گھر کی کیا کنڈیشن ہے۔ ابھی تین سال قبل تو ابو...... اور ابھی حمزہ کو ڈاکٹر بننا ہے۔ سومیہ کو وکالت کرنی ہے اور......''

''یہ سب تیرا دردِ سر نہیں ہے۔ میں ابھی زندہ ہوں۔'' وہ چپ ہو کر سر جھکا گئی' تب وہ

بولیں۔

''بیٹا' بیٹیوں والے پالتے ہیں پوستے ہیں۔ ایک پودے کی طرح اسے سینچ کر بڑا کرتے ہیں۔ مگر شاخ دار پیڑ بنتے ہی انہیں ان کو کسی اور کے حوالے کر دینا ہوتا ہے' جو زیادہ بہتر طریقے سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ والدین کو اس ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ صرف چھاؤں مہیا کرنا جانتے ہیں۔ چھاؤں لینا نہیں۔ جاؤ اب جا کر سو جاؤ صبح تمہیں اسکول بھی جانا ہے۔''

مگر وہ اٹھی نہیں۔ یونہی سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''گستاخی معاف امی' مگر میں پھر وہی کہوں گی ابھی یہ سب قبل از وقت ہے۔''

تب وہ اسے دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرادیں۔ پھر اس کے ہاتھ تھام کر بولیں۔

''جہاں اور بہت سی کمزوریاں ہوتی ہیں نالڑکیوں کے والدین کی' وہاں ایک کمزوری یہ بھی ہوتی ہے' جہاں ایک رشتہ ملے وہیں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں کہ شاید پھر کوئی معقول بر ملے نہ ملے' اور پھر آج کے دور میں اچھے بر ملتے بھی کہاں ہیں۔'' انہوں نے کہہ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا' اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر بولیں۔

''میرا خیال ہے اس میں حرج نہیں جتنی جلد فرض ادا ہو جائے بہتر ہے۔ مگر پھر بھی تمہاری مرضی کو مدنظر رکھتے ہوئے بھائی صاحب سے گزارش کروں گی کہ وہ رخصتی اتنی جلدی نہ کروائیں۔''

تب وہ ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

✦ ◈ ✦

پھر کتنے ہی دن تک وہ اس انتظار میں رہی کہ ثوبان سے خود اس سلسلے میں بات کرے گی' مگر کئی دن تک جب وہ ادھر نہ آیا' تو وہ اسکول سے واپسی پر خود اس کے پاس جا پہنچی۔

''میرا محبوب آ گیا
من میرا لہرا گیا''

اسے دیکھتے ہی وہ خاصی ترنگ میں گنگنانے لگا تھا۔ مگر جواب میں وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''یہ سب کیا ہے ثوبان قریشی؟'' وہ بولی تو لہجہ بھی تیز تھا۔ مگر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''تم بیٹھو تو!'' اس کے کہنے پر وہ قدرے فاصلے پر رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو مجھ پر ڈھیروں ذمے داریاں ہیں اس کے باوجود۔''

''ریلیکس بھئی۔'' اس نے پانی کا گلاس اس کی سمت بڑھایا۔ جسے لے کر وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گئی۔ تب وہ اسی اطمینان سے بولا۔

''ہاں اب کہو!'' پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اگرچہ کچھ کہنے یا سننے کی ضرورت تو نہیں ہے' پھر بھی میں سننے کو تیار......''

''ثوبان پلیز۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی' تو وہ سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''تمہیں میری زندگی میں شامل تو ہونا ہی ہے۔ کل یا آج بات تو ایک ہی ہے' اور میں فقط ''نکاح'' کے لیے کہہ رہا ہوں۔ ''رخصتی'' کی مجھے بھی ابھی ضرورت نہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے شرارت سے اس کا ہاتھ تھام لیا' تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ ''تم اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے پوری کرو' مجھے بھی ابھی بہت آگے تک جانا ہے۔ یہ چار ہزار کی جاب میری منزل

نہیں ہے۔ میں دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کرنا چاہتا ہوں۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں ریم۔ انہیں دنیا بھر کے سکھ اور خوشیاں دینا چاہتے ہیں اور......"

"لیکن اس کے لئے یہ ضروری تو نہیں کہ......" وہ تیزی سے بولی تھی' جب اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"نکاح کی جگہ منگنی بھی ہو سکتی تھی۔ مگر اماں ابا کو میں نے ہی یہ مشورہ دیا کہ منگنی کوئی خاص پائیدار رشتہ نہیں' ادھر انگوٹھی انگلی سے اتری اور ادھر رشتہ ختم' اور نکاح تو ایسا پائیدار بندھن ہے۔ لاکھ رشتوں کی ڈور الجھے' لاکھ آندھی طوفان آئیں' مگر اس بندھن پر آنچ بھی نہیں آتی۔ ریشمی نازک سی ڈور یونہی دو دلوں کو باندھے رکھتی ہے' مضبوطی کے ساتھ۔ اور تب تک نہیں ٹوٹتی جب تک آپ اسے توڑنے کی کوشش نہ کریں۔"

وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ تبھی وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"کیا میں نے غلط کہا؟" اس نے اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر نظریں جھکا دیں پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی وہ اسے شرارت سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"ویسے تمہیں اعتراض کیوں ہوا؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے' ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو رہا ہوں۔ بہت جلن ہوا کرتی تھی نا تمہیں جب میں کسی لڑکی کی طرف نظر بھر کر دیکھا کرتا تھا۔"

ریم نے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر چھپایا۔ پھر اسے گھورنے کے ساتھ ہی زوردار مکا بھی دے مارا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ کچھ دیر تک تو اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"لیکن ثوبان مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے۔ میرا دل' میرا دماغ یہ سب قبول نہیں کر پا رہا۔"

"تمہارے دل' تمہارے دماغ نے مجھے تو قبول کیا ہے نا' پھر اور بھلا کیا باقی رہ جاتا ہے" وہ یک دم اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ نظریں جھکا گئی۔ کہتی بھی تو کیا' اب بھلا کیا باقی رہا تھا۔ وہ غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔

پھر ایک سادہ سی تقریب میں اس نے اپنا آپ ثوبان قریشی کے نام لکھ دیا۔

دل' نظر جس کے لئے تھے ہمیشہ کے لئے اسی کو سونپ دیے۔

دل کی لے میں پہلے بھی اس کے نام کے موتی کھنکتے تھے۔

آنکھ پہلے بھی عکس لیے خواب چنتی تھی۔

مگر اس روز جیسے سب اسے بالکل نیا نیا اور واقعی' مضبوط ترین محسوس ہو رہا تھا۔ ثوبان قریشی کا نام۔ اس کا وجود اس کے لئے ایک چھتنار کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے تصور کو اپنی سوچوں کی زمین پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے کھڑا دیکھ رہی تھی۔

تین بولوں نے اسے کیسا استحقاق بخش ڈالا تھا۔ حالانکہ وہ شخص ہمیشہ اس کے بے حد قریب رہا تھا۔ مگر آج جیسا تاثر اس نے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ شاید یہی وہ مضبوطی تھی کچی سی ڈور کی۔ جس میں دو دل آج بندھ گئے تھے۔ ہمیشہ کے لئے......

اس نے اس روز جارجٹ کا سفید سوٹ زیب تن کیا تھا۔ سفید رنگ اس کا محبوب ترین رنگ تھا۔ ثوبان بھی جب اسے سفید کلر پہنے دیکھتا ضرور سراہتا۔

اور اس روز اس کی سسرال سے بھی اس کے لئے ہلکے پھلکے کام والا سفید جارجٹ کا ہی سوٹ آیا تو اس نے سوچا یہ یقیناً ثوبان قریشی کی پسند ہو گی' اور اسے پہن کر کیسا خوب صورت تاثر ابھر رہا تھا۔ یہ کوئی اس روز اس لڑکی سے پوچھتا۔ نکاح کے بعد وہ اٹھ کر یونہی راہداری تک آئی تھی' جب سومیہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آپی! وہ...... وہ ثوبان بھائی آپ کو ایک نظر دیکھنا چاہ رہے ہیں۔" اور اس پل یکدم ہی اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ فوراً وہ پلٹی تھی اور دھم سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تھی۔ سومیہ اس کی حرکت پر ہنستی ہوئی واپس لوٹ گئی تھی۔ پھر وہ تب تک یونہی اندر دبکی بیٹھی رہی' جب تک تمام مہمان رخصت نہیں ہو گئے۔ اور پھر جب خاموشی ہو جانے پر یقین آیا تب وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ سومیہ' سعدیہ وغیرہ برتن وغیرہ سمیٹنے میں مصروف تھیں۔ تب وہ بھی دوپٹہ ایک طرف رکھ کر بکھری اشیا سمیٹنے لگی۔

"ارے آپی' آپ رہنے دیں' ہم کر لیں گے۔" سومیہ نے کہا' مگر اس نے نفی میں سر ہلا کر جھاڑو تھام لی۔ امی اندر نماز پڑھ رہی ہیں۔ وہ چیزیں رکھنے ان کے کمرے میں گئی تو ان کے چہرے پر گہرا اطمینان دیکھ کر مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی۔ پھر بیٹھ کر جھاڑو لگا رہی تھی' تبھی کوئی بھاری جوتوں والا وجود عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ریم کے ہاتھ یکدم ساکت ہو گئے جوتوں پر نگاہ ڈال کر اس نے اوپر تک دیکھا تھا' اور پھر یکدم دھڑکنوں میں ارتعاش سا پیدا ہو گیا تھا۔ ثوبان قریشی بلیک ڈنر سوٹ میں اپنے لمبے چوڑے مضبوط وجود کے ساتھ مسکراتا ہوا

اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"سنا تھا "لوگ" بہت خوب صورت لگ رہے تھے' سوچا ہم بھی ایک جھلک دیکھ آئیں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر زیرِ لب مسکراتا ہوا بولا۔ تب وہ چونکی اور یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ جلدی سے کچھ فاصلے پر کرسی پر رکھا سفید دوپٹہ اٹھا کر اوڑھا' پھر شاید دل کی منتشر دھڑکنوں کو معمول پر لانے کے لئے' اس کی طرف سے پشت کر کے ٹیبل پر سے پانی کا جگ اٹھا کر یونہی منہ سے لگا لیا۔ کانپتے ہاتھوں کے باعث پانی چھلک کر اس کے کپڑوں کو بھی بھگ گیا۔ تب اچانک قدرے فاصلے پر کھڑے شخص کی ہنسی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی' ا اس نے چونک کر جگ واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔ ثوبان اس کی پشت کو دیکھتا ہوا اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ پھر دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم یوں کر رہی ہو' جیسے ہم پہلی بار ملے ہیں' یا آج ہی ایک دوسرے کو دیکھا ہے۔" ر نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا پھر یک دم نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں' ایسی بات نہیں دراصل۔"

"شی......!" اس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے کہنے سے باز رکھا' اور پھر ا کے صبیح چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"پہلے ذرا ڈھنگ سے دیکھنے تو دو۔ ہم بھی تو دیکھیں سب "تعریفوں" میں حق بجانب بھی تھے یا نہیں۔"

اپنے چہرے پر اس کی پرتپش نظر دیکھ کر وہ اپنی لرزتی پلکوں کو جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر شاید منظر سے ہٹنے کی خاطر بولی۔

"چائے لاؤں تمہارے لیے؟"

"پہلے ایک طرف سے تو سیر ہو لوں۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ جذبوں کی چاشنی میں ڈ میٹھا اور دلفریب۔

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس' وقت' سمندر' ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

سبک خرام صبا چال چل پڑے جب بھی
ہزار پھول سرِ راہ آ ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

اس کے لہجے کے فسوں سے وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ثوبان پلیز!" میں سخت کنفیوژ ہو رہی ہوں۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ ثوبان ہنستا چلا گیا۔

"بیڑا غرق کر ڈالا سارے رومینٹک موڈ کا۔ یار کتنی مشکل کے ساتھ الفاظ منتخب کر کے آیا تھا' اور تم نے جواب میں ایسی ہونق جیسی صورت بنائی ہے کہ......" وہ پھر ہنسنے لگا۔ "تمہیں تو ڈھنگ سے شرمانا بھی نہیں آتا۔ ریم ثوبان قریشی۔" وہ بھی اپنی مسکراہٹ چھپا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں نہیں آتا اور اس کے علاوہ بھی مجھے کوئی کام نہیں آتا۔" وہ اعتماد سے بولی تو وہ شرارت سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر جھک کر بولا۔

"خیر ایسا تو نہیں کہ تمہیں کچھ بھی نہ آتا ہو۔ عاشق' دیوانہ اور سودائی تو تم ہمیں بلاشبہ بنا ہی چکی ہو اور آگے نہ جانے کیا کچھ اور بھی بنا ڈالو۔"

ریم کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا خیال ہے میرے ساتھ باہر چلو گی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"اس وقت؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی' اور جواب میں اس نے ایسی نظروں کے ساتھ دیکھا کہ اس کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔

"آج سے تمہارے تمام حقوق میرے نام منتقل ہو چکے ہیں ریم ثوبان قریشی۔ کیا اب بھی تمہیں کسی اور "یقین" کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ دراصل میں سوچ رہی تھی امی شاید اجازت نہ دیں۔" وہ فوراً امی کا سہارا لیتی ہوئی بولی' تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"پھوپھو سمجھ دار ہیں' وہ یقیناً منع نہیں کریں گی۔ تم سینڈل پہنو میں ان سے اجازت لے کر آتا ہوں۔" وہ بولا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی' اور پھر واقعی امی نے منع

نہیں کیا۔

ثوبان قریشی اسے لے کر ساحل سمندر پر چلا آیا' اور پھر کتنے ہی پل وہ گیلی ریت پر چلتے رہے محبتوں کے سیپ چنتے رہے۔

اس نے اپنی نکاح والی بات اپنی کولیگز کو نہ بتائی تھی' تبھی دو روز نہ آنے پر کسی نے اس سے استفسار نہ کیا تھا۔

''یہ آج لِلی نہیں آئی؟'' بریک میں چائے کے سِپ لیتے ہوئے اس نے قریب بیٹھی اسماء سے دریافت کیا' تو اس نے بے پروائی کے ساتھ شانے اچکائے۔

''امیر زادی ہے بھئی۔ ملازمت کی اسے بھلا کیا ضرورت' چھوڑ گئی ہوگی۔''

''ہاں شاید' مگر......!'' وہ ابھی بولنے ہی لگی تھی جب اسماء نے اچانک کچھ یاد آنے پر اسے دیکھا اور پھر بولی۔

''سنو' اس روز میں نے تمہارے اس کزن......؟ کیا نام تھا اس کا......؟''

''ثوبان قریشی!'' ریم نے کہنے کے ساتھ ہی اسے دیکھا بھی۔

''ہاں ثوبان قریشی کو اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں ڈنر اڑاتے دیکھا تھا۔''

اور ریم کے ہاتھوں میں پکڑا ہوا کپ یک دم لرز گیا۔

''کب؟'' اس کی آواز بھی واضح انداز میں کانپ رہی تھی۔

''کوئی ہفتہ بھر پہلے کی بات ہے۔ میں چونکہ اپنے فیانسی کے ساتھ تھی' اس لئے قریب جا کر مل نہ سکی۔ ویسے دونوں خاصے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔'' اسماء نے کہنے کے ساتھ ہی اسے بھی دیکھا۔ ''بائی دی وے کیا چکر ہے ان میں؟'' انداز میں شوخی اور شرارت تھی۔ مگر ریم کچھ کہے بغیر سر جھکا گئی۔ جس بات کے بارے میں وہ خود لاعلم تھی' اس کے متعلق بھلا کسی اور کو کیا بتاتی۔

اصل جانے کیا تھا' حقیقت کچھ بھی سہی' مگر اس پل ریم نے اپنی دھڑکنوں کو مدھم پڑتے ضرور محسوس کیا تھا' اور ان دھڑکنوں میں ایک ہی دعا بار بار ڈوب اور ابھر رہی تھی۔ ''کاش وہ ثوبان قریشی نہ ہو۔''

رقابت کا جذبہ تقریباً ہر لڑکی میں ہی موجود ہوتا ہے' اور وہ تو اس وقت بھی اس آگ میں جلا کرتی تھی' جب وہ اس کا کچھ نہیں تھا' اور اب تو وہ مکمل طور پر اس کا تھا۔ پھر کیسے اس کی

تقسیم برداشت کر لیتی۔ اس نے کتنی ہی بار خود کو باور کرایا تھا' اور تسلی دی تھی کہ شاید اس بات میں صداقت نہ ہو' مگر ہر بار یہ خیال ریت کی ایک دیوار ہی ثابت ہوتا تھا۔ وہ اس سے ملتا تو شاید وہ اس سے پوچھ کر مطمئن ہو جاتی' مگر کافی دنوں سے وہ ادھر آیا ہی نہ تھا۔

اس دن اسکول سے واپسی پر یہ قصد کر کے نکلی تھی کہ آج وہ ضرور اس سے ملے گی۔ چاہے اس کے لیے اسے اس کے آفس ہی کیوں نہ جانا پڑے' اور وہ ابھی اسی خیال کے تحت رکشے میں سوار ہوئی تھی۔ جب یک دم روڈ کے دوسری طرف سلور گرے کرولا پر اس کی نظر پڑ گئی۔ گو یہ فقط ایک لمحے کی بات تھی' اور دوسرے ہی لمحے وہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ مگر ریم کی نظروں میں ابھی تک وہ لمحہ قید ہو گیا تھا۔ لِلی حبیب کے ساتھ جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا' وہ یقیناً ثوبان قریشی ہی تھا۔ کئی کانچ کے ٹکڑے یک دم ایک ساتھ چھن سے ٹوٹے تھے' اور جیسے دل میں کھبتے چلے گئے تھے۔ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ اس نے ڈرائیور کو رکشا گھر کے راستے پر موڑنے کے لئے کہا تھا' اور پھر اپنی پلکوں پر آن ٹھہرنے والے موتیوں کو پلکیں جھپک جھپک کر اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔

اس روز وہ آیا تو سب بے حد تپاک کے ساتھ ملے۔

''ثوبان بھائی کہاں غائب رہنے لگے ہیں آج کل۔ حالانکہ اب تو آپ کو پہلے سے بھی زیادہ آنا چاہیے کہ......'' سومیہ نے چائے سرو کرتے ہوئے کہا' تو وہ ہنستا چلا گیا۔ پھر ریم پر نگاہیں پڑیں تو شرارت سے مسکرا دیا۔

''یار روز آ تو جاؤں مگر ڈر ہے ''لوگ'' برا ہی نہ مان جائیں کہیں۔'' سومیہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ مگر ریم نے تب بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ پھر یک دم وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ثوبان نے اسے بغور دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر تک پھوپھو کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا' اور آخر کار اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گیا۔ وہ رخ پھیرے کھڑکی میں کھڑی تھی۔ ثوبان چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا۔

''کیا ہوا؟ سرکار کا موڈ کچھ اچھا نظر نہیں آ رہا۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا' تو اس نے کوئی جواب دیئے بغیر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''ریم' اے جانِ تمنا' کیا ہوا۔ خفا کیوں ہو؟'' وہ اسے شانوں سے تھام کر اب کے خاصی شوخی سے بولا تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ آنکھوں کی سطح پر ٹھہرا پانی یک دم رخساروں

پر بہہ نکلا۔

"ثوبان تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اگر یوں ہی راہیں بدلنی تھیں تو پھر مجھے اس نام نہاد بندھن میں قید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو ریم۔ تم تو زندگی ہو میری' میری روح' میری جان!" اس نے کہنے کیساتھ ہی اس کے آنسو صاف کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر ریم نے بری طرح جھٹک ڈالا۔ اس کا یہ اظہار اگر کسی اور لمحے ہوتا تو شاید وہ اس کے جذبوں کی دہکتی لو سے پگھل جاتی۔ مگر اب تو صورتحال یکسر مختلف تھی۔ اعتبار بھلا کیونکر اور کیسے آتا۔

"بات کیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا' تو وہ اس کی لاعلمی پر اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ کچھ کہے بغیر یونہی آنسو بہاتی رہی۔

"ریم پلیز!" وہ زچ ہو کر بولا۔ تب وہ دھیرے سے بولی۔

"تم للی حبیب کے ساتھ کس خوشی میں گھوم رہے تھے؟"

"اوہ......!" اس کے کہنے پر ثوبان نے اطمینان کا گہرا سانس خارج کیا۔ "تو یہ بات تھی' تم نے تو مجھے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔ میں سمجھا تھا......"

"تمہارے لیے یہ معمولی بات ہے۔ پتا ہے میں کس طرح پریشان ہوں اس روز سے جب سے میں نے تمہیں اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو وہ اطمینان سے ہنس دیا۔

"اس سے مل کر تو میں آج بھی آ رہا ہوں۔" ریم بے پناہ حیرت سے دیکھنے لگی' تو وہ بولا۔ "مگر پاگل لڑکی یہ ملاقات' اس نوعیت کی ہرگز نہیں ہے' جس کے متعلق تم سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو۔ وہ میری بس اچھی دوست ہے اور بس!"

"دوست؟ دوست تو تمہاری کبھی میں بھی تھی ثوبان قریشی۔ یاد ہے تم اپنے تمام دکھ' سکھ' مسائل سب مجھ سے شیئر کرتے تھے۔ اب ایسی کیا بات ہو گئی' جو تمہیں کسی اور کی ضرورت پڑ گئی۔" وہ سلگ کر بولی۔

"ریم! کوئی فضول بات ذہن میں مت لاؤ۔ میں صرف تمہارا ہوں اور تمہارا ہوں گا۔ تمہارا ہاتھ میں نے تاعمر کے لئے تھاما ہے۔ تمہارے نام کے ساتھ ہمیشہ میرا نام جڑا رہے گا۔

بولو اور کیا یقین چاہتی ہو تم؟" ثوبان نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"پھر تم اس سے کیوں ملتے ہو؟ کیا لگتی ہے وہ تمہاری اور اچانک یہ دوستی کہاں سے ہو گئی۔ تم جانتے ہو نا' نہیں برداشت کر سکتی' میں کسی اور پر تمہاری نظر۔ پھر کس لیے بڑھ رہے ہو اس کی طرف؟"

"تم ہی نے تو جان پہچان کروائی تھی۔" وہ شرارت سے بولا۔ پھر دوسرے ہی پل سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ "دیکھو ریم اس سے زیادہ میں تمہیں اور یقین نہیں دلا سکتا۔ میں نے یہ بندھن اسی لئے باندھا تھا کہ تم پُر اعتماد ہو جاؤ اور جہاں تک للی حبیب کی بات ہے' وہ تو تمہاری گرد تک کو نہیں چھو سکتی۔ اس سے زیادہ اور میں کیا کہوں' تم میری منکوحہ ہو' میری محبت ہو۔ یہ بات تم خود بھی جانتی ہو' پھر تمہیں اس عام سی لڑکی سے خوفزدہ ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا تو تب وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ تبھی ثوبان نے جیب سے رومال نکالا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھیں پونچھنے لگا۔

"تم روتی ہوئی نہایت بری لگتی ہو' مسکراؤ۔" مگر وہ مسکرائی نہیں۔ یونہی اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ثوبان قریشی! اگر تم نے مجھے دغا دیا تو خدا کی قسم تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔"

"ہاں میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔" وہ شرارت سے ہنس کر بولا تو یکدم ریم کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی' جسے چھپانے کے لئے اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر اس کے بازو پر مکا رسید کرتے ہوئے بولی۔

"میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں' جو رو دھو کر چپ ہو جاتی ہیں۔ میں واقعی تمہیں شوٹ کر دوں گی۔"

"مرے ہوئے کو مارو گی؟" وہ جواب میں شرارت سے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ فوراً سر جھکا گئی۔ کیسے جذبے پھوٹ رہے تھے' ان پرتپش آنکھوں سے۔ ریم کا وجود جیسے پگھلنے سا لگا تھا۔ تبھی وہ اور اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔

✦ ◈ ✖

گو ثوبان قریشی نے اسے ہر طرح سے مکمل یقین دلایا تھا۔ مگر وہ جانے کیوں پھر اس نہج

پرسوچ جارہی تھی۔ وہ کام کر رہی ہوتی' یا فارغ ہوتی۔ سوچیں ذہن کے ساتھ چپکی رہتیں۔

آخر کیوں راغب ہوا وہ اس کی جانب؟

اس کے دمکتے حسن کے باعث؟

اس کی خود اعتمادی کے باعث؟

مگر یہ سب خوبیاں تو اس میں بھی تھیں...... پھر......؟

ہاں ...... شاید بے پناہ دولت کے باعث' کیوں کہ اس میں وہ لیلی حبیب سے کم تر تھی۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ آ گیا۔

"ہیلو کن سوچوں میں گم ہو؟" اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجاتے ہوئے وہ بولا' تو ریم چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ امی اور سومیہ وغیرہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ پھر جب وہ چائے پی رہا تھا تبھی وہ بولی۔

"کیا لیلی نے اسکول کی جاب چھوڑ دی ہے؟"

ثوبان نے اس کی جانب دیکھا' پھر شانے اچکا دیے۔

"کافی دنوں سے وہ آ نہیں رہی۔"

"اس کے معاملات میں ابھی اس حد تک انوالو نہیں ہوا میں۔" اس نے کہہ کر کپ ٹیبل پر رکھا تبھی سومیہ اٹھ کھڑی ہوئی' اور کچن میں چلی گئی۔ امی پہلی ہی اٹھ چکی تھیں اب وہ صرف دونوں بیٹھے تھے۔

"ویسے اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ اس روز جب وہ مجھے چھوڑنے آئی تھی تو یونہی راستے میں سرسری سی بات ہوئی تھی' جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنی زندگی میں خوش نہیں ہے۔"

"ہاں ٹھیک اندازہ لگایا تم نے۔ دراصل اس کے والدین کی اس کے بچپن میں ہی علیحدگی ہو گئی تھی۔ بچپن کا زمانہ اس کا ہاسٹل میں گزرا۔ ماں نے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی کر لی' اور باپ بھی اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ ایسے میں وہ بے توجہی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ پھر جب وہ جونیئر کیمبرج میں پڑھ رہی تھی' تبھی اسے ایک شخص سے محبت ہو گئی۔ مگر جلد ہی وہ بھی اسے چھوڑ کر چلا آیا۔ اس کا تعلق بھی پاکستان سے تھا۔ مگر لیلی کے پاس اس کا کوئی

ایڈریس نہیں تھا۔ وہ اسے ڈھونڈنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے تحت پاکستان آئی ہے۔"

"اور تم اس کی اس سلسلے میں مدد کر رہے ہو؟" ریم اس کی بات کاٹ کر بولی تو اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

"ویسے وہ گرین کارڈ ہولڈر بھی تو ہے نا۔" ریم نے جانے کیا جتانے کو پوچھا' تو وہ خاموش نظروں سے تکنے لگا۔ پھر کچھ کہے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

"حمزہ نظر نہیں آ رہا؟"

"اس نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی شروع کر دی ہے' اسی لیے......"

تب ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ریم باوجود دل کی خواہش کے اسے روک نہ سکی۔ یونہی بیٹھی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اس روز وہ اسکول سے واپسی پر بس کے انتظار میں کھڑی تھی' جب اچانک لیلی حبیب کی سلور گرے کرولا اس کے قریب آن رکی۔

"آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔" وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر بولی' تو ریم نے آگے بڑھ کر فرنٹ ڈور کھول لیا۔

"تم نے جاب کیوں چھوڑ دی؟" بیٹھنے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے اچانک پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"بس یونہی جی اچاٹ ہو گیا تھا۔"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟" ریم نے مسکراتے ہوئے پوچھا' تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ تب وہ بولی۔

"ثوبان بتا رہا تھا تم یہاں کسی کی تلاش میں آئی ہو؟"

اس نے چونک کر دیکھا پھر بولی۔ "ہاں مگر ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ویسے تمہارا کزن میری بہت مدد کر رہا ہے۔ ہی واز اے نائس گائے۔"

"وہ میرا کزن ہی نہیں میرا شوہر بھی ہے۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔" وہ جانے کیا جتانے کو بولی تھی۔ مگر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہاں ثوبان بتا رہے تھے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ بہت چاہتے ہیں ناں وہ تمہیں؟"

"کیا یہ بات انہوں نے تمہیں نہیں بتائی؟" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"ارے ان کی گفتگو شروع بھی تم سے ہوتی ہے' اور ختم بھی تم پر۔ سچ کبھی کبھی تو میں تم سے حسد بھی کرنے لگتی ہوں' کاش ہمیں بھی کوئی یوں ٹوٹ کر چاہتا۔" اس کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

"سنو لبنی جسے تم ڈھونڈنے آئی ہو کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا؟"

"کرتا تو تھا۔" اس کا جواب مختصر تھا۔ "مگر جانے کیوں کہیں بھیڑ میں گم ہو گیا۔"

"اور اگر وہ تمہیں خدانخواستہ نہ ملا تو؟" ریم کہہ کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایسا ہو نہیں سکتا کہ کسی کی تلاش رائیگاں جائے۔"

"پھر بھی؟" ریم جاننے پر بضد تھی۔

"تو پھر میں واپس امریکہ لوٹ جاؤں گی۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئی' پھر بولی۔ "ثوبان کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں' کیا ملتے نہیں تم سے؟" ریم نے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نہیں' کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔" تب ہی اس نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک دی۔ "تب وہ اترتے ہوئے مروتاً بولی۔

"آؤ نا اندر۔" مگر اس نے مسکراتے ہوئے سہولت سے انکار کر دیا' اور پھر گاڑی آگے بڑھا لے گئی۔

پھر اس کے کانوں نے یہ خبر بھی سنی کہ ثوبان قریشی نے جاب چھوڑ دی ہے' اور اب بہت جلد وہ امریکہ جا رہا ہے۔

"کیا لبنی حبیب کے ساتھ؟" دل سے فوراً یہ صدا ابھری اور وہ خود کو جھٹلانے کی سعی کرنے لگی۔

"بند باندھ باندھ کر پہاڑ نہیں بنائے جا سکتے۔ اسے اگر مجھے چھوڑنا ہے تو ہر صورت چھوڑ دے گا' اور اگر ہمارا ساتھ لکھا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی۔ نصیب میں نہ ہو تو ہاتھ میں آیا ہوا نوالہ بھی گر جاتا ہے۔ تم اگر میرے نہیں ہو ثوبان قریشی تو میں زبردستی تم کو باندھ کر نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ بند باندھنے سے واقعی پہاڑ نہیں بنا کرتے۔ جس طوفان کو آنا ہوتا ہے وہ تو ہر صورت آ کر رہتا ہے۔ پھر میں کیوں بلاوجہ خود کو ہلکان کروں۔" اس نے سوچا تھا' اور پھر اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا تھا' اور ابھی وہ بیٹھی دوپٹے پر کروشیے کی

بیل بنا رہی تھی' جب پڑوس کا بچہ آ گیا۔

"آپا! آپ کا فون ہے۔" ریم نے قدرے حیران ہو کر اس بچے کو دیکھا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ والوں کا نمبر اس کے کسی جاننے والے کے پاس نہ تھا۔

پھر؟

اور جب اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا' یکسر اجنبی آواز پر چونک گئی۔

"ہیلو کون؟"

"ریم جہانگیر میں ہوں لبنی حبیب۔" وہ جہاں چونکی' وہیں بے حد اطمینان سے بولی۔

"ہاں کہو۔"

وہ کچھ دیر تک تو خاموش رہی' پھر ایک گہرا سانس لے کر گویا ہوئی۔

"سنو ریم' جو بات میں تمہیں بتانے جا رہی ہوں' اسے سن کر شاید تم پریشان ہو جاؤ' مگر میرے خیال میں اس کا تمہارے علم میں آنا بے حد ضروری ہے۔ اگر تم اپنے دل و دماغ سے غور کرو گی تو شاید تمہیں یہ بات اچھی ہی نہ لگے' اگر میں تمہیں آگاہ نہ کروں تو شاید تم غلط سمجھتی رہو۔ کیونکہ اس بات کے جاننے والے دو لوگ ہیں' اور ان میں سے دوسرا اگر تمہیں غلط بتائے' لیکن میں تمہیں اندھیرے میں رکھ کر اپنے دل پر کوئی بوجھ لینا نہیں چاہتی۔ ایک لڑکی ہونے کی وجہ سے میں تمہارے احساسات و جذبات کو سمجھتی ہوں۔"

"اصل بات کہو!" وہ اس کی لمبی چوڑی تمہید پر اکتا کر بولی۔ دل جانے کیوں اس پل بے حد تیز رفتاری سے دھڑکا۔ جواب میں لبنی حبیب چند پل کو خاموش ہوئی' پھر دھیرے سے بولی۔

"سنو ریم' میں نے اور ثوبان قریشی نے پیپر میرج کر لی ہے۔ یہ بندھن اپنے نام کی طرح کھوکھلا اور وقتی ہے۔ تب تک ہم میاں بیوی ہیں' جب تک ثوبان قریشی امریکہ پہنچ کر اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ تمہیں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ اس رشتے کو قائم کرنے کے لئے ثوبان قریشی بھی بالکل راضی نہ تھا' مگر اس کے اچھے مستقبل کے لئے یہ بے حد ضروری تھا۔ اس کے لئے میں نے ہی اسے فورس کیا تھا۔ امریکہ میں روز کئی نوجوان ڈالر کمانے کے چکر میں پہنچتے ہیں' مگر ان میں سے بہت کم معقول ملازمتیں حاصل کر پاتے ہیں۔ میں چونکہ گرین کارڈ ہولڈر تھی' اس لیے میرے نزدیک مدد کا اس سے کوئی بہتر

طریقہ اور نہ تھا۔ ہیلو ریم!'' اس کی خاموشی کو محسوس کر کے وہ بولی تو ریم جیسے چونک کر متوجہ ہوئی۔

''ہوں کہو!'' آواز جانے کیوں پُرلرزش تھی۔

''تم رو رہی ہو نا ریم۔ تم یقیناً مجھے قصوروار جان رہی ہوگی' لیکن بائے گاڈ میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے یہ سب بے حد نیک نیتی سے کیا ہے۔ میرا ضمیر صاف ہے۔ دل صاف ہے' تب ہی تم سے فون پر بات بھی کر رہی ہوں' اور سنو تم ثوبان قریشی کو بھی مجرم مت سمجھنا۔ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے اس کے اندر' ہر طرف تم ہی تم ہو۔ کسی اور کے تو پاؤں دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔'' وہ پل بھر کو رکی پھر بولی۔ ''اس نے شاید تمہیں کچھ نہیں بتایا' ہے نا؟''

مگر جواب میں ریم نے کچھ نہ کہا۔ تب وہ بولی۔

''دراصل وہ تمہیں کسی بھی طرح سے ہرٹ کرنا نہیں چاہتا۔ بہت محبت کرتا ہے تم سے' تمہارا ایک ایک آنسو اسے اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''

اور وہ جو کبھی نہ رونے کی قسم کھائے بیٹھی تھی جانے کیوں اشکوں کو روک نہ سکی۔

''ہیلو ریم' آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ مگر یہ سب میں نے تم دونوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ یہ شراکت عارضی ہے۔ ثوبان قریشی تمہارا تھا' اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ پلیز تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔''

ریم کی ہمتیں جیسے جواب دینے لگیں۔ تب ہی اس نے دھیرے سے ریسیور رکھا' اور پھر آنکھیں رگڑ کر گھر کی سمت چل پڑی۔

عجب بات تھی' جس نے چھینا تھا' وہی اس بات کا یقین دلانے کی کوشش بھی کر رہی تھی' کہ اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔

عورت زندگی میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہے' مگر اپنے شوہر کی تقسیم برداشت نہیں کر سکتی اور جو کبھی اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی اور اپنی جان ایک کر دے گی یا اسے شوٹ کر دے گی تو ابھی وہ اتنا کچھ ہو جانے پر کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔ کبھی اسے اس کا کسی غیر پر ایک نگاہ ڈالنا بھی کھلا کرتا تھا اور کہاں اب وہ باضابطہ طور پر ''تقسیم'' ہو چکا تھا اور وہ تب بھی چپ سادھے ہوئے تھی۔ کرتی بھی تو کیا۔

بند باندھ کر واقعی پہاڑ نہیں بنائے جا سکتے' اور وہ بھی ایسی حماقت کرنا نہیں چاہتی تھی۔

جس طوفان کو آنا تھا وہ تو آ چکا تھا...... پھر؟

اور اس روز وہ اس سے ملنے آیا بھی' تو اس نے اس سے کچھ نہ کہا۔

وہ باتیں کرتا رہا' وہ سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی پھر وہ چلا گیا۔

جب وہ امریکہ جا رہا تھا' سب ہی اسے چھوڑنے ایئرپورٹ تک گئے' مگر اس نے وہیں سے خدا حافظ کہا' اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

اس کی سرد مہری کو ثوبان قریشی نے بھی محسوس کیا تھا' مگر نہ جانے کیوں کہا کچھ نہیں تھا۔ شاید اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

✦ ◈ ✖

پھر دن جیسے پر لگا کر اڑنے لگے تھے۔ ثوبان نے پہنچتے ہی اسے خط لکھا تھا' مگر اس نے پڑھے بغیر ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کی جانب سے مختلف قسم کے کارڈز' خطوط اور تحائف آتے رہتے' مگر وہ دیکھے بغیر ایک طرف ڈالتی رہتی۔ اس نے ایک دو بار فون بھی کیا' مگر وہ سننے نہیں گئی۔ امی اسے ان اقدام پر حیرت سے دیکھتیں۔ اس کی خاموشی کی بابت بھی ایک دو بار دریافت کیا' مگر وہ ٹال جاتی اور تب وہ اسے کچھ اس انداز سے دیکھتیں کہ وہ چور سی بن کر نگاہیں جھکا لیتی۔ ماں کی نگاہ بہت گہری ہوتی ہے۔ بچوں کو اگر کوئی تکلیف ہو تو سب سے پہلے ماں یہ محسوس کرتی ہے۔

تب ہی ایک دن انہوں نے پاس بٹھا کر پوچھا تو وہ دھندلی آنکھوں سے چند پل دیکھتی رہی' پھر ان کے شانے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ اندر کا تمام درد جیسے بہنے لگا۔

''ریم بچی کوئی بات ہے تو بتا!'' وہ اس کی سسکیوں پر ہول کر بولیں۔ ''تیرے دل میں آخر کیا ہے کچھ بول تو۔ ماں سے کہہ' ماں سے بڑا تو کوئی رازداں نہیں ہوتا۔ آخر کیا بات تجھے پریشان کر رہی ہے۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کر کے اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں پونچھیں تب وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ قدرے نحیف و کمزور تھیں۔ وقت نے پہلے ہی انہیں کم دکھ تو نہ دیئے تھے۔ اور ریم ان کو مزید دکھی کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی باقی کے تمام آنسو اپنے اندر اتار کر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کچھ نہیں امی' بس یونہی ابو جی کی یاد آ گئی تھی۔ ان کی برسی بھی تو آ رہی ہے نا۔'' اس

نے یونہی بات بنائی تب امی اسے خاموشی سے دیکھنے لگیں اور وہ سر جھکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

✦ ◈ ✖

"کیا ہوا پریشان ہو تم؟" لیلیٰ حبیب نے قدرے گم صم سے ثوبان قریشی کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواب میں اسے نے چونک کر دیکھا' اور پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"جھوٹ بول رہے ہو؟" اس نے بغور دیکھتے ہوئے کافی کا کپ تھمایا۔

"نہیں!" وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ تب وہ عین اس کے سامنے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئی بولی۔

"ریم کے بارے میں سوچ رہے ہو نا؟" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔ تبھی وہ اسے دیکھتی ہوئی دھیمے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"سنو' یہ عشق بے خود اور پاگل کیوں کر دیتا ہے؟"

ثوبان قریشی بے ساختہ ہی اس کی سمت دیکھنے لگا۔ چہرے پر حد درجہ سادگی لیے وہ اس سے خاصی معصوم سی لگی۔

"پتا نہیں! اس نے مختصر کہہ کر کافی کا کپ منہ سے لگا لیا' اور پھر نظروں کا زاویہ بدل کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

"جب پتا نہیں تو "عشق" کرتے کیوں ہیں؟"

"کرتا کون ہے' اپنے آپ ہو جاتا ہے!" ثوبان نے اس کی سمت دیکھے بغیر جواب دیا۔

وہ بے ساختہ ہی اس کی سمت دیکھنے لگی۔ پھر سر جھکا کر بولی۔

"ہاں' اپنے آپ ہی ہو جاتا ہے' جیسے دن نکلتا ہے۔ جیسے شام ڈھلتی ہے جیسے مینہ برستا ہے' جیسے دھوپ نکلتی ہے' جیسے چاند چمکتا ہے' جیسے چاندنی پھیلتی ہے۔ ویسے ہی عشق بھی ہو ہی جاتا ہے۔" وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"حضرت بلھے شاہؒ نے عشق کی کیفیات کو بڑے دلکش طریقے سے رقم کیا ہے۔ سنو گے؟" وہ رک رک کر اس سے پوچھنے لگی پھر اس کا جواب سنے بغیر بولنے لگی۔

جس تن لگیا عشق کمال

ناچے بے سُر تے بے تال

جس دے اندر وسیا یار

اٹھیا یار و یار پکار

نہ اوہ چاہے راگ نہ تار

اینویں بیٹھا' کھیڈے حال

جس تن لگیا عشق کمال

ناچے بے سُر تے بے تال

اس کا لہجہ بے خود اور مست تھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگا۔ تب ہی لیلیٰ نے بھی اس کی جانب سر اٹھا کر دیکھا' تو وہ فوراً نگاہ چرا گیا اور یونہی بولا۔

"تم نے بلھے شاہؒ کو کہاں پڑھ لیا؟" وہ مسکرا دی۔

"صرف انہیں ہی نہیں میں نے اور بھی بہت سے مشرقی شاعروں کو اور خاص طور پر صوفیا کرامؒ کو بغور پڑھا ہے۔ بابا فریدؒ' سلطان باہوؒ' میاں جیؒ' شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ' سچل سرمستؒ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے شعراء ہیں۔ جن کے وجدان پرور کلام سے میں مستفید ہوئی ہوں۔"

وہ بولی تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہاں رہ کر' حالانکہ یہاں رہنے والی لڑکیاں تو ....." وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا جب لیلیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ضروری نہیں کہ سب ایک ہی جیسی ہوں' میں نے یہاں پرورش پائی ہے۔ یہاں رہتی ہوں' مگر میرا اندر خالصتاً مشرقی ہے۔ اس دھرتی سے اس مٹی کی خوشبو سے مجھے عشق ہے۔" وہ جذب سے بولی تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ پھر اچانک بولا۔

"کیا بہت چاہتی تھیں تم حسیب کمال کو؟"

اور لیلیٰ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر دوسرے ہی پل سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پتا نہیں۔"

"کیوں؟"

"بہت عرصہ ہوا مجھے اس کی یاد نہیں آئی' اور جو بھول جائیں وہ دل سے بھی تو نکل جاتے ہیں نا۔"

ثوبان نے اس دھان پان سی تیکھے نقوش والی لڑکی کو ایک نظر دیکھا' پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''تمہاری نظر میں بھولنا اور یاد رہنا ہی محبت کا مفہوم ہیں۔'' مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھٹنوں پر ہاتھ باندھے یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تلاش کرنے پر بھی تمہیں نہیں ملا اس لیے۔''

تب وہ یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ثوبان قریشی جن سے محبت کی جاتی ہے' انہیں ڈھونڈنے کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ وہ سدا نظروں میں رہتے ہیں۔ دل میں بستے ہیں۔ جیسے تمہارے دل میں ریم جہانگیر بستی ہے۔'' وہ بولی تو ثوبان کتنے ہی پل اسے خاموشی سے تکتا رہا' پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''فرض کرو اگر اچانک وہ کہیں سے نکل کر آ جائے تو؟''

''جو باتیں ناممکن ہوں انہیں فرض کرنا بھی حماقت ہے' اور میں احمق بننا نہیں چاہتی اور اب پلیز اس کا ذکر مزید مت کرنا۔''

تب وہ بھی خاموش ہو گیا۔

''بہتر نہ ہوگا کہ تم فون پر اس سے بات کر لو!''

''وہ ناراض ہے مجھ سے۔''

''روٹھے ہوئے کو منانا مشکل تو نہیں۔''

''ہاں' مگر وہ سرے سے بات ہی کرنا نہیں چاہتی' تم نے اسے حقیقت سے باخبر کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے ثوبان قریشی' اگر میں اسے نہ بتاتی تو کسی اور ذرائع سے اسے پتا چل جاتا' اور پھر شاید وہ کچھ اور قیاس کر لیتی۔ میرے دل میں کوئی چور نہ تھا' تب ہی سب کچھ کہہ دیا۔''

''ہاں تب ہی کہتے ہیں بے وقوف دوست سے دانا دشمن بھلا۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔ پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' یہ ناراضی اور غصہ یقیناً عارضی ہے۔''

''ہاں جانتا ہوں میں۔'' پھر اچانک اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

✦ ◈ ✖

ثوبان نے دروازے پر ابھی قدم ہی رکھا تھا' جب اسے احساس ہوا کہ گھر میں خاصی چہل پہل ہے' اس نے آہستہ سے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور اندر کا منظر واضح ہو گیا۔

دو نوجوان' خوب صورت اسمارٹ لڑکیاں۔ ایک قدرے معمر مگر اسمارٹ عورت تھی' ایک مغربی تہذیب کا مکمل شاہکار نوجوان' وہ دروازے میں ہی رک گیا۔

لبنیٰ ان میں گھری خاصی دلچسپی سے باتیں کر رہی تھی۔ تب ہی اچانک اس کی نظر اس پر پڑی اور وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر اس کی سمت بڑھ آئی۔

''میری ماما اور ان کے بچے آئے ہوئے ہیں۔ آپ پلیز ان سے مل لیجیے۔'' ثوبان نے دیکھا اس کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔ وہ مسکرایا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ان کی سمت چلا آیا۔

''ارے لبنیٰ' تمہارے ہزبینڈ تو بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی کے مالک ہیں۔'' ان لڑکیوں میں سے ایک نے اسے دیکھ کر برملا اظہار کیا تو لبنیٰ بے ساختہ اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''بہت لکی ہو بھئی تم تو۔ اتنا اسمارٹ شوہر بیٹھے بٹھائے مل گیا۔'' دوسری نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''بیٹھے بٹھائے کہاں' پورا پاکستان چھانا ہے بھئی' تب کہیں جا کر انہیں ڈھونڈا ہے۔'' لبنیٰ نے شرارت سے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا' تو ثوبان قریشی ایک دم اسے دیکھنے لگا۔

''پھر تو ہمیں بھی پاکستان کا رخ کرنا چاہیے۔'' ایک لڑکی نے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

''بیٹا آپ فریش ہو لو۔ ہم ابھی یہیں ہیں۔ ان کی گفتگو میں پھنس گئے' تو جانے کب تک بٹھائے رکھیں۔'' لبنیٰ کی ماما نے کہا تب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پھر جب وہ ہاتھ لے کر باہر ٹاول سے پونچھتا ہوا باہر نکلا' تب وہ اس کے لئے گرما گرم کافی لے آئی۔

''یہ تمہاری اسٹیپ سسٹرز ہیں؟'' اس نے کپ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں!'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

''اور ماما؟''

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔" اب کے وہ ہنس دی۔" تب ہی وہ کافی کے سِپ لیتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا۔

"تم نے انہیں بتایا نہیں کہ یہ شادی اونلی پیپر میرج ہے؟" جانے کس خیال کے تحت اس نے کہا تھا' مگر لیلی اسے ایک دم چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر ہونٹ کاٹتی ہوئی دوسری سمت دیکھنے لگی۔

" کیا اس بات کا ڈھنڈورا پیٹنا لازمی ہے' تم میرے نہیں ہو۔ یہ بات میں جانتی ہوں' تم مجھے چھوڑ دو گے' یہ بات بھی میں جانتی ہوں۔ پھر کیا سب سے کہہ کر اس بات کا چرچا کرنا لازمی ہے؟"

اس کے لہجے میں جانے کیا تھا' ایسا کہ ثوبان قریشی چونک کر دیکھنے لگا۔

"مگر یہ بات کل کو پیچیدگی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ کل جب یہ تعلق ٹوٹے گا تو کیا یہ لوگ تم سے کوئی باز پرس نہیں کریں گے؟"

"لیلی نے اس کی بات پر ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں' وہاں کوئی کسی سے باز پرس نہیں کرتا۔ یہاں آج تعلق بنتے ہیں اور کل ختم ہو جاتے ہیں۔ سب اپنی زندگی میں بے پناہ مگن ہیں۔ کسی کو کسی سے کچھ کہنے' سننے کی فرصت نہیں۔ پھر یہ سب باتیں ہیں' اس لیے آپ کو اس کے متعلق سوچ کر ہلکان ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اٹ از اونلی مائی ہیڈک!" وہ تیزی سے بولی' اور پھر باہر نکل گئی۔ ثوبان قریشی یونہی چند لمحے کھڑا اس سمت دیکھتا رہا' پھر بیٹھ کر کافی کے سِپ لینے لگا۔

وہ یوں ہی آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا' جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"حقیقتاً نہ سہی مگر کاغذی طور پر ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔ جس طرح میں تمہاری پریشانیوں اور دوسری باتوں کا خیال رکھتی ہوں' اسی طرح جواباً تمہیں بھی میرا خیال رکھنا چاہیے۔"

ثوبان نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا' وہ روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بیوی ہونے کے ناطے نہ سہی ایک دوست ہونے کے ناطے ہی تمہارا یہ حق بنتا ہے کہ تم میرے مہمانوں کو کمپنی دو۔ ماما کھانے پر تمہیں بلا رہی ہیں۔" وہ بولی اور پھر واپس پلٹ

گئی۔ ثوبان کچھ دیر تک یوں ہی لیٹا رہا' پھر اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ کھانے کے دوران ہنسی مذاق چلتا رہا۔ لیلی کی بہنیں' میری اور شیرل اور بھائی ٹونی مسلسل باتیں کرتے رہے۔

"لیلی! تمہاری شادی کو چھ مہینے سے زیادہ وقت بیت گیا اور تم نے ابھی تک کہیں ہنی مون کے لئے ہی نہیں گئیں۔" اچانک لیلی کی ماما نے کہا' تو جہاں لیلی کا ہاتھ رکا وہیں وہ بھی بے ساختہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"بس ماما مصروفیت ہی اتنی رہی' آتے ہی پہلا مسئلہ ثوبان کی جاب کا تھا اور......"

"مگر اب تو تمہیں کہیں جانا چاہیے۔" ماما نے پھر کہا تو وہ تینوں ہنسنے لگے۔ تب ہی میری بولی۔

"اتنا زبردست ہم سفر میرا ہوتا تو اب تک ہنی مون پیریڈ ہی چل رہا ہوتا۔ پورا یورپ گھوم چکی ہوتی اس کی سنگت میں۔" اس کا لہجہ اتنا بے باک تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا گئے۔ پھر لیلی ہی بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"پورا یورپ میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں' اور بار بار دیکھ کر بور نہیں ہونا چاہتی۔ یوں بھی ہم یہیں خوش ہیں۔" پھر اسکی سمت دیکھتے ہوئے بولی۔

"ثوبان! آپ کافی لیں گے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

اس روز وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی' جبکہ وہ قدرے فاصلے پر بیٹھا گھر بات کر رہا تھا۔ اماں نے بتایا تھا کہ ریم آئی ہوئی ہے اور اس لمحے اسے ایک دم ہی بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔

"پلیز اماں اسے بلا دیں ذرا۔" اس کے گھر والوں کو کسی بات کا پتا نہیں تھا۔ تب ہی شاید ریم بھی اماں کے کہنے پر فون پر آ گئی تھی۔

"ہیلو ریم' کیسی ہو؟" لہجہ حد درجہ بے قرار تھا۔ مگر جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو ریم' پلیز کچھ کہو' کچھ بولو۔" اس سے پہلے کہ دوسری سمت سے کوئی جواب آتا۔ لیلی حبیب کی آواز نے اسے اپنی جانب راغب کر لیا۔

"ہا......آ......" وہ اچانک سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہنے لگی تھی۔ پھر کھلے ہوئے منہ پر رومال رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی تھی۔

"لیلی۔" ثوبان قریشی نے ایک دم ریسیور کریڈل پر رکھا' اور بے ساختہ اٹھ کر اس کے

پیچھے دوڑا۔ وہ اب واش بیسن کے نل پر سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ ثوبان نے اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ اس کی اڑی ہوئی رنگت اور پانی سے بھری آنکھیں اس کی اندرونی تکلیف کی غماز تھیں۔

"لیلی تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہوں!" اس نے ایک گہرا سانس لے کر واش بیسن کا نل بند کیا۔ تب ہی ثوبان کی نظر اس کے ہاتھ میں دبے سفید رومال پر پڑ گئی۔ جو خون کے سرخ دھبوں سے اٹا ہوا تھا۔

"یہ......؟" وہ حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں' ٹھیک ہوں میں۔" وہ رومال ڈسٹ بن میں ڈال کر اطمینان سے مسکرائی۔

"چلو میرے ساتھ اسپتال!" ثوبان نے اس کے بازو پکڑ کر کھینچا' مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اپنی جگہ پر کھڑی اطمینان سے مسکراتی رہی۔

"کس ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ گے مجھے؟"

وہ نگاہ جمائے یونہی دیکھتا رہا پھر وہ ہنس دی۔ "میرا علاج دنیا کے کسی مسیحا کے پاس نہیں۔ لیوکیمیا کی ایڈوانس اسٹیج پر ہوں میں۔ کسی بھی وقت اوپر سے بلاوا آ سکتا ہے۔"

وہ کتنے ہی پل خاموشی اور حیرت سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کون کہہ سکتا تھا وہ نازک سی تیکھے پرُکشش نقش کی مالک' زندگی سے بھرپور لڑکی موت کی دہلیز پر کھڑی تھی' جو مسکراتی تھی' تو جیسے پوری کائنات مسکرا اٹھتی تھی' جو ہنستی تھی تو جیسے چہار سو کلیاں چٹکنے لگتی تھیں۔

جگنوؤں سے زیادہ تابندہ آنکھوں کی حامل لڑکی۔ موت اس کے سامنے بانہیں پھیلائے کھڑی اور وہ پھر بھی ہنس رہی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔" ثوبان نے ایک دم اس کا بازو تھام کر زور سے جھٹکا دیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی' پھر مسکراتے ہوئے دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔

"تمہارا مجھ سے کیا ناتا ہے جو تم سے مذاق کروں گی۔ وہ بھی اتنا سنگین۔" وہ شرارت سے بولی تو وہ درشت نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کاغذی طور پر ہی سہی تم میری بیوی ہو۔ پھر تم نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا؟"

"بتا دیتی تو کیا تم پھر بھی مجھ سے' پیپر میرج کر لیتے؟" وہ جواب میں پھر بھی سنجیدہ نہ تھی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

"کچھ بھی سہی لیکن تمہیں اس طرح دھوکا نہ دیتا۔ تم نے مجھے آگاہ نہ کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"دھوکا کیسا' یہ تو میرا خالصتاً ذاتی فیصلہ تھا۔" پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ "اے ثوبان' تم اس طرح سیریس کیوں ہو رہے ہو۔ میرے مرنے سے بھلا تمہیں کیا فرق پڑے گا۔ تم تو پھر بھی شادی شدہ ہی کہلاؤ گے۔" مگر وہ اس کی شوخی پر بھی نہیں مسکرایا۔

"ریم سے بات ہوئی؟" وہ ثوبان کو بے دلی سے ریسیور رکھتے دیکھ کر بولی۔ تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"عجیب آدمی ہو تم ایک روٹھا ہوا محبوب نہیں منا سکتے۔ لوگ تو روٹھے رب کو منا لیتے ہیں۔"

ثوبان نے ایک نظر اسے دیکھا' اور چلتا ہوا اس کے قریب آ بیٹھا۔

"ایک سال تو تمہیں ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے تم ایک چکر گھر کا لگا آؤ اس طرح تم ریم کو بھی منا سکو گے۔"

"نہیں' ابھی نہیں۔ ابھی میرا مقصد پورا نہیں ہوا۔ ابھی تو "ریم محل" کی تعمیر شروع ہوئی ہے' اور جب تک میں تمام خوابوں کو عملی جامہ نہ پہنا لوں اس سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا۔"

"مگر اس طرح تو وہ تم سے مزید بدظن ہو جائے گی۔ وہ تو یہی سمجھے گی میرا جادو تم پر چل گیا ہے' اور میں نے تمہیں باندھ کر رکھ لیا ہے۔" وہ پریشانی سے بولی تو وہ اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے ہنس دیا۔

"کچھ غلط تو نہیں سوچے گی۔"

لیلی نے چونک کر دیکھا' اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی' تب اس نے اسے کشن کھینچ مارا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ تب ہی وہ سنجیدگی کے ساتھ سر جھکا گئی' اور یونہی کارپٹ پر آڑی ترچھی لائنیں کھینچنے لگی۔ ثوبان اسے کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا۔

"سنو لیلی' تم ایک بار میرے ساتھ چل کر کسی اچھے سے ماہر ڈاکٹر سے چیک اپ کروا لو' مجھے یقین نہیں آتا اتنے بڑے ملک میں بھلا کیسے اس مرض کا علاج ممکن نہیں۔ اٹ از امپاسبل۔" وہ کہہ کر سر نفی میں ہلانے لگا۔

''بعض اوقات بہت کچھ ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔'' وہ بولی تو لہجے میں بے پناہ درد تھا۔
پھر وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے ڈھیروں پانی بہنے لگا۔ پھر وہ بے ساختہ ہی اس کے مضبوط شانوں پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''پہلے مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا تھا' لیکن اب میں مرنا نہیں چاہتی۔ ثوبان پلیز مجھے بچالو۔ میں تمہارے قریب ہوں' مجھے اپنی دھڑکنوں میں چھپالو' دل میں رکھ لو کہ موت آئے بھی تو مجھے ڈھونڈ نہ سکے۔ پلیز ثوبان۔'' وہ اس کے شانے کو مسلسل بھگوئے جا رہی تھی' مگر ثوبان کتنے ہی پل ساکت سا یونہی بیٹھا رہا تھا۔ دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

''تم اپنے اپارٹمنٹ میں کب شفٹ ہو گے؟'' اسے ٹیرس پر کھڑے ہو کر کافی پیتے ہوئے لیلیٰ نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''تم مجھے یہاں سے بھگانا چاہ رہی ہو؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تم بھول رہے ہو شاید۔ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے ہو' اور ہمارا ساتھ یہیں تک کا تھا' اس سے آگے تمام راستے ختم ہو جاتے ہیں۔''

''منزل آئے بغیر راستے ختم کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ شرارت سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ مگر وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ اس روز والی جذباتی کیفیت کا شائبہ تک نہ تھا' اس کے چہرے پر۔ ثوبان نے اسے بغور دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

''عجیب لڑکی ہو' میں نے تو ہنی مون کا بھی پروگرام بنالیا ہے اور تم۔'' اور وہ ایک دم ہی چونک کر دیکھنے لگی' اس کی آنکھوں میں اتنی شرارت تھی کہ وہ اسے گھورنے لگی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا۔

''تم شاید بھول رہے ہو تم میرے پاس کسی کی امانت ہو' اور امانت میں خیانت کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی۔

''تھوڑی بہت خیانت کی گنجائش تو نکل سکتی ہے کہ قانوناً شرعاً یہ حق ہمارے پاس محفوظ ہے۔'' وہ اس اس کے گرد بازو حمائل کرتا ہوا بولا' تو لیلیٰ سر اٹھا کر بے ساختہ اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی تھی' شرارت تھی۔ وہ یقیناً اس وقت سنجیدہ نہ تھا۔ تب ہی وہ بھی

دھیرے سے مسکرا دی۔

''ہاں نکل تو سکتی ہے گنجائش' مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں بہت جلد اوپر سدھارنے والی ہوں اور سنا ہے' تازہ گناہوں کی باز پرس سب سے پہلے ہوتی ہے۔'' وہ سہولت سے اس کے حصار میں سے نکل آئی۔ پھر یونہی گفتگو کا رخ بدلنے کو بولی۔

''ریم محل'' کی تعمیر کا کتنا کام باقی ہے؟''

''بس آخری مراحل میں ہے۔''

''ریم کے لیے تو یہ حیران کن سرپرائز ہو گا نا؟'' وہ دور خلاؤں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہاں میں منہ دکھائی میں اسے یہی تحفہ گفٹ کروں گا۔'' وہ بھی ریم کے ذکر پر خوش نظر آ رہا تھا۔

''سنو' کیا سارے محبت کرنے والے اپنی محبتوں کی یادگار یونہی تعمیر کرتے ہیں؟'' اس کا لہجہ اور انداز بے حد کھویا کھویا سا تھا۔ ''جیسے ممتاز محل' تاج محل۔''

''ہوں شاید۔''

''میں مر جاؤں گی تو کیا تم میری یاد میں کوئی ایسی ہی یادگار تعمیر کرو گے؟'' وہ بولی تو ثوبان قریشی کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے اسے تکنے لگا۔ تب وہ اسے دیکھتی ہوئی ایک دم ہنسنے لگی۔

''اوہ' میں بھول ہی گئی تھی کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔''

ثوبان نے سر جھکا لیا' کہا کہتا وہ سب کچھ تو جانتی تھی۔

''سنو' کچھ اور نہ سہی' ایک دوست ہونے کے ناتے میری قبر پر اپنے ہاتھ سے مٹی ضرور ڈالنا۔ اور ہو سکے تو پھول چڑھانے اور دیا جلانے بھی آیا کرنا۔'' پھر خود ہی اپنی بات کی نفی کرتی ہوئی بولی۔ ''یہ بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ جب میں مروں تو تم یہاں نہ ہو۔''

''لیلیٰ پلیز!'' وہ جلدی سے اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

''خوفزدہ ہو رہے ہو' بھئی مرنا تو ایک دن سب کو ہے۔ پھر دیر یا بدیر سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''تمہارے پاس موت کی باتوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں؟'' وہ زچ ہو کر بولا۔

''چلو چھوڑو' ہم تمہارے روشن مستقبل کی باتیں کرتے ہیں۔ تم یہاں سے لوٹ کر کیا

کرو گے؟"

"تمہارا سر!" وہ تیز لہجے میں بولا پھر پاؤں پٹختا ہوا اندر غائب ہو گیا۔

"ثوبان!" وہ شیو کر رہا تھا' جب اس کی لرزتی ہوئی آواز اس کے کان میں پڑی۔

"ثوبان! آہ۔"

"اس کا دل ایک دم دھڑکا اور وہ تولیے سے منہ پونچھ کر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف دوڑا۔

"ثو......ثوبان۔"

تیسری آواز پر وہ اس کے کمرے میں تھا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپتی ہوئی مسلسل کراہ رہی تھی۔ ثوبان نے اسے بیٹھ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"ثو......ثوبا...... ن......!" وہ اکھڑتی ہوئی سانسوں کے درمیان مسلسل کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں......آہ......!"

"للی ...... للی ......!" اس نے بے خودی کے عالم میں اسے پکارا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں اور پھر اس کا وجود اس کی بانہوں میں ایک طرف لڑھک گیا۔

"للی ......للی......!"

وہ اسے جھنجوڑنے لگا۔

"للی' آنکھیں کھولو' پلیز للی۔" اس کی بدحواسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مگر تب ہی للی نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ ثوبان قریشی ایک دم چونک گیا۔ اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی' اور آنکھوں میں حد درجہ شرارت۔

"یہ کیا مذاق تھا!" وہ گھورتا ہوا بولا۔ وہ بدستور اس کی بانہوں میں تھی۔ مگر وہ ہنستی چلی گئی۔

"ڈر گئے......ڈر گئے۔"

"شٹ اپ' للی' آئی سے شٹ اپ!" وہ اسے ایک دم پیچھے ہٹا کر بولا۔ مگر وہ مسکراتی رہی پھر بولی۔

"تم نے صبح کیلنڈر پر ڈیٹ نہیں دیکھی۔ بھئی آج فرسٹ اپریل ہے۔ فول ڈے۔"

"تمہیں ڈرامہ کرنے کو اس سے زیادہ مناسب کوئی اور طریقہ نہیں ملا تھا۔ مذاق کی بھی

حد ہوتی ہے۔" وہ خاصا ناراض سا لگ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری' کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔ لیکن ثوبان میں نے یونہی۔" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ جب اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"زندگی اور موت تمہارے نزدیک مذاق ہے۔"

وہ بالوں کو اسکارف سے باندھ کر مسکرا دی۔

"زندگی جب میرے ساتھ مذاق کر سکتی ہے' تو میں زندگی کے ساتھ مذاق کیوں نہیں کر سکتی!"

"یو آر میڈ گرل۔"

وہ الجھے ہوئے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولا۔

"یس آئی نو ڈیٹ۔ مگر پلیز اب جلدی سے موڈ ٹھیک کر لو۔ ورنہ میرا دل سچ بند ہو جائے گا۔" وہ شرارت سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی' تب اسے دیکھتے ہوئے وہ بھی دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"للی! تم میری سمجھ سے باہر ہو' کیا چیز ہو تم؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

وہ کتنے ہی پل اسے دیکھتا رہا پھر نظریں چرا گیا' اور بولا۔

"تمہارے گھر والوں کو تمہاری بیماری کے متعلق خبر ہے؟ آئی مین تمہارے ماما' پاپا!"

"ہوں۔" اس نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے باوجود......"

وہ حیران رہ گیا۔

"ثوبان مجھے ان سے کوئی شکوہ یا گلہ نہیں۔ ہر انسان کو اپنی زندگی اپنے ڈھنگ سے گزارنے کا حق حاصل ہے اور جب وہ لوگ اپنی دنیا میں خوش ہیں تو میں کیوں بلاوجہ ان کو الزام دوں۔ وہ دونوں اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میرا خیال رکھتے ہیں۔ پاپا ایک بھاری رقم کا چیک ہر ماہ ارسال کرنا نہیں بھولتے۔ چاہے وہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں' اسی طرح ماما بھی۔"

"کیا یہ محبت ہے؟"

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر مسکراتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''پتا نہیں' ویسے بھی محبت کی مجھے کچھ خاص پہچان نہیں' اکثر دھوکا کھا جاتی ہوں۔'' وہ بولی تو وہ کتنے ہی پل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر چہرے کا رخ پھیر کر بات یکسر بدل ڈالی۔

''تم اسپتال گئی تھیں؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''میری زندگی کے اتنے کم دن بچے ہیں کہ میں انہیں تشنگی سے گزارنا نہیں چاہتی۔ اگر مجھے نہیں بھی مرنا تو اسپتال کی گھٹی گھٹی فضا میں اپنی موت سے پہلے دم توڑ جاؤں گی۔ اور اپنی موت سے پہلے مجھے موت ہرگز گوارہ نہیں۔''

''آج تمہارا کیا پروگرام ہے۔''

وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

''کچھ خاص نہیں۔ فارغ ہی فارغ ہوں۔ یوں بھی قریب المرگ انسان سوائے موت کے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔''

وہ گھورنے لگا' تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

''ٹھیک ہے' پھر تم شام میں تیار رہنا۔ ہم آؤٹنگ کے لئے چلیں گے۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا تو وہ یونہی کھڑی اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

موسم بہت دلفریب تھا۔ برف باری ہو رہی تھی اور ٹھنڈی یخ ہوائیں جسم کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ لِلی گرم کپڑے پہنے ہوئے تھی مگر اس کے باوجود کانپ رہی تھی۔ ثوبان چلتے چلتے رکا۔ پھر اپنا اوورکوٹ اتار کر اس کے شانوں پر ڈال دیا۔

''کیا تمہیں ٹھنڈ نہیں لگتی؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں۔'' اور ڈھلوان سے اترتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''سنو ایک بات کہوں تم سے؟'' تب ہی وہ اچانک بولی۔

''ہوں۔'' وہ دلکش نظاروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ مگر وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے

ایک دم خاموش ہو گئی۔ اور ثوبان اس کی سمت دیکھنے لگا۔

''تم کچھ کہنے جا رہی تھیں۔''

لِلی نے رک کر پیڑ کے ساتھ ٹیک لگائی پھر بغور اسے دیکھنے لگی۔

''میری ایک آخری خواہش ہے' پوری کرو گے؟'' ثوبان چونک کر دیکھنے لگا' مگر وہ بولتی گئی۔ ''میں چاہتی ہوں ہمارے درمیان جو ''کاغذی رشتہ'' ہے وہ میری موت تک برقرار رہے۔ سنا ہے مرنے والے کی آخری خواہش کا احترام ضرور کیا جاتا ہے۔ کیا تم میری یہ خواہش پوری کرو گے؟''

جواب میں وہ اسے خاموش نظروں سے دیکھتا چلا گیا' پھر ایک دم اسے اپنی گرفت میں لے کر ساتھ بھینچ لیا۔

''آئی لو یو' آئی لو یو ویری مچ لِلی۔'' وہ بے خود سے انداز میں اس کی زلفوں کی مہک کو اپنے اندر اتارتا ہوا کہہ رہا تھا۔

لِلی کتنے ہی پل ساکت رہ گئی۔ پھر اس نے ثوبان کو پیچھے ہٹایا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

''فرسٹ اپریل کو گزرے بہت دن گزر چکے مسٹر لہٰذا اب آپ کا مجھے فول بنانے کا منصوبہ پورا نہیں ہو سکتا۔''

''لِلی بلیوی۔ میں سچ کہہ رہا ہوں میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' باہر کا موسم جس قدر سرد تھا' اس کا لہجہ جذبوں کی لو سے اتنا ہی دہکتا ہوا تھا۔ لِلی نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی اور ہنستی چلی گئی۔

''ترس کھا رہے ہو مجھ پر' میں مرنے والی ہوں اس لیے نا؟'' مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا۔

''تمہیں محبت کی واقعی پہچان نہیں ہے لِلی' ورنہ میرے جذبوں کی اس طرح تذلیل نہ کرتیں۔''

''پلیز ثوبان! مجھے فریب مت دو' کوئی دھوکا مت دو' میں جانتی ہوں یہ محبت نہیں ہے' کیونکہ تمہاری آنکھوں میں اب بھی ریم جہانگیر کا عکس پوری آب و تاب سے جھلملاتے ہوئے دیکھ رہی ہوں' تمہاری دھڑکنوں میں اب بھی اسی کے نام کا شور ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' وہ اتنے یقین سے اسے دیکھتی ہوئی بولی کہ وہ نگاہیں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا اور

تب وہ ہنسنے لگی۔

''اسٹاپ اٹ۔''

مگر وہ ہنستی چلی گئی' تب ثوبان نے اس کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ جما دیا انداز جارحانہ تھا۔ مگر اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

''کیا کر رہے ہو میرا دم گھٹ جاتا تو۔'' ثوبان نے اس کی سمت دیکھا پھر اسے اپنی آہنی گرفت میں جکڑ لیا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں تم اس کا یقین کیوں نہیں کر رہیں۔ ضروری تو نہیں محبت صرف کسی ایک فرد سے ہی ہو۔ محبت ٹھہرا ہوا تالاب تو نہیں' محبت تو ایسے سمندر کی مانند ہے جو مسلسل سفر کرتا ہے۔ کتنی ندیاں' نالے' دریا' جھیلیں اس میں شامل ہوتے ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی سمندر سے الگ رکھا جا سکتا ہے یا جدا کیا جا سکتا ہے؟'' وہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔ و[illegible] اس سے لِلی کے اتنا قریب تھا کہ اس کی گرم سانسوں سے اسے اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہو ر[illegible] تھا۔

''مجھے مت ورغلاؤ' تم کسی کی امانت ہو میرے پاس' اور میں امانت میں خیانت ہرگز نہیں کر سکتی۔ یہ سوچنا بھی میرے لئے ......''

''شٹ اپ۔ ایک لفظ بھی مت کہنا اب' اس سے آگے۔ تم قانونی اور شرعی طور پر میری بیوی ہو' ہمارا نکاح ہوا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا۔ اور وہ اسے چونک کر دیکھنے لگی۔ ''میرا اور تمہارا تعلق بالکل جائز ہے۔ کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی۔'' وہ اسے قدرے جھنجوڑتے ہوئے بولا تو وہ اسے دیکھے گئی۔ پھر ایک دم مسکرا دی۔

''تم بھول رہے ہو شاید وہ رشتہ فقط کاغذی تھا اور کاغذ کے رشتے ناپائیدار ہوا کرتے ہیں۔''

''لِلی جھوٹ بول کر مجھے اور خود کو فریب مت دو۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔ اور وہ نظر پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

''تم خوش گمان ہو رہے ہو شاید۔''

''تم اسے کچھ بھی کہو' لیکن میں تمہاری آنکھوں کی تحریر پڑھ چکا ہوں' یو لوگی۔'' اس [illegible] لہجے میں اتنا یقین تھا کہ وہ ایک دم ہی اسے چونک کر دیکھنے لگی پھر اس کی گرفت سے نکلتی ہ[illegible]

چلنے لگی وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ خاصی دیر خاموش رہی پھر بولی۔

''تمہارے خیال میں ریم اس وقت کیا کر رہی ہوگی؟'' اور وہ جو اس کے ساتھ چل رہا تھا' درشت نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس وقت تم صرف اپنے بارے میں ہی بات کرو۔''

''اپنے بارے میں۔'' وہ بھی رک کر دھیمے انداز میں اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ''اپنے بارے میں کیا بات کروں؟ میں موت کی دہلیز پر کھڑی ہوں اس منزل پر ہوں' جہاں جھوٹ پر بھی یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جان بوجھ کر کوئی خوبصورت دھوکا کھانے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن افسوس...... میں ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔ شاید کچھ لوگوں کو ساری زندگی پیاس کی صورت میں کاٹنی پڑتی ہے اور میں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ پھر بولی۔ ''آؤ واپس چلیں شام ڈھلنے والی ہے۔'' وہ واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

صبح وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ جب وہ تیزی سے بالوں میں برش کرتی ہوئی بولی۔

''پلیز' مجھے اسپتال ڈراپ کر دیجئے جاتے ہوئے۔'' ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ رخ پھیر کر باہر نکل گئی اور پھر ٹیبل پر ناشتا لگانے لگی۔

بلیک کلر کے لانگ اسکرٹ پر اوائٹ شرٹ پہنے' گھنے سیاہ گھنگریالے بالوں کو سفید اسکارف میں باندھے وہ خاصی دلکش سی لگ رہی تھی۔ وہ کتنے ہی پل مستعدی سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا پھر یکدم وہ چلتا ہوا اس کے پاس جا رکا۔ لِلی جو تیزی سے برتن لگا رہی تھی۔ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی' مگر اس کی نگاہوں میں کچھ ایسی تپش تھی' کہ وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی اور دوسرے ہی پل نگاہیں جھکا گئی۔

ثوبان نے اسے بازو سے تھام کر قریب کیا پھر دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں میں بندھا سفید اسکارف کھول کر دور اچھال دیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔

''بالوں میں سفید رنگ کا اسکارف کبھی نہیں باندھتے۔'' لِلی جو اس کی نگاہوں کی تپش پر بوکھلا گئی تھی ایک دم مسکرا دی۔

”کیوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“

”بس میں نے کہا نا نہیں باندھتے۔“ وہ اس کی سیاہ زلفوں کو اپنی انگلی پر لپیٹے ہوئے بولا۔

”سفید رنگ کفن کی علامت ہوتا ہے اس لیے؟“ وہ کہتی ہوئی مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ جواب دیے بغیر ساکت نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تبھی وہ بولی۔

”مگر سفید رنگ پاکیزگی کی علامت بھی تو ہوتا ہے۔ یہاں تو دلہنوں کو سفید رنگ ہی پہنایا جاتا ہے۔“

”مجھے یہاں سے سروکار نہیں کہ یہاں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں لیکن مشرق میں بزرگ ہمیشہ اس بات سے منع ہی کرتے ہیں اور جس بات سے بزرگ حضرات ٹوکیں یا منع کریں اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔“ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔

”مگر مجھے تو سفید رنگ پسند ہے اور بہت جلد میں اس رنگ کو اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے گہری نیند بھی سونے والی ہوں۔ اس لیے میں ایسے کسی عقیدے کو نہیں مان سکتی۔“ وہ بولی تو وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر چیئر پر جا بیٹھا اور اپنے لیے کپ میں چائے بنانے لگا۔ وہ اسے دیکھتی ہوئی اس کے سامنے بیٹھ گئی پھر دھیمے انداز میں بولی۔

”سنو میری موت سے تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟“ وہ جواب میں سر اٹھا کر اسے کچھ ایسے انداز سے دیکھنے لگا' وہ دوسرے ہی پل نظریں جھکا گئی۔

”پکی ساحرہ ہو تم۔ بہت سوچ سمجھ کر تم نے اپنا جال بچھایا ہے۔ مجھے پھانسا ہے اور اب بولو کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا۔ کیوں کھینچ لائیں مجھے اپنے اس طلسم کدے میں؟“ وہ درشت لہجے میں بولا تو وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

”تم پاگل ہو رہے ہو اور کچھ نہیں۔ بھلا میں نے کب تمہیں اپنے جال میں پھانسا ہے' تمہیں مکمل اختیار حاصل ہے۔ جہاں چاہو جاؤ اور میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا تم اب اپنے لیے الگ اپارٹمنٹ لے لو۔ کہو کبھی ایک بار بھی میں نے تمہیں روکا یا زبردستی تم پر تسلط جمایا؟“

”کہاں جاؤں میں اب۔ واپسی کا کوئی راستہ بھی تو کھلا ہونا۔ جہاں قدم بڑھاتا ہوں آگے تم کھڑی نظر آتی ہو۔“ وہ بولا اور کپ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ ”تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا

بہت برا کیا ہے۔ یہ نیکی نہیں ہے تمہاری' اچھا خاصا خوش تھا' میں اپنی زندگی میں' اپنی محبت سے قریب تھا' مگر تم نے ......“ وہ کہتے ہوئے رکا پھر بولا۔ ”تم نے درپردہ مجھ سے دشمنی کی ہے۔ میرے دل' دماغ کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ بولو اب کیا کروں میں؟“ وہ بے بسی سے بولتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تو وہ سر جھکا گئی۔

کہتی بھی تو کیا۔ کہنے کو تھا ہی کیا اس کے پاس۔

سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر بلاوجہ ہی چکر کاٹتی رہی تھی اور پھر آخر کار تھک کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

ایک شخص کا دل بیک وقت دو حصوں میں کس طرح بٹ سکتا ہے۔

محبت تو زندگی میں فقط ایک بار اور ایک ہی ہستی سے ہو سکتی ہے پھر۔

کیا اس لمبے چوڑے مضبوط سے شخص کی آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کی کرنوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

کتنی شفاف ہیں وہ ساحر آنکھیں۔

کسی معمولی سے جھوٹ کی بھی تو رمق نہیں۔

پھر وہ فسوں خیز دہکتا لہجہ۔

جو گلیشیئر کے گلیشیئر پگھلانے کی سکت رکھتا ہو۔

اور وہاں تو ایک دل تھا۔

جانے کس لمحے اپنے مقام سے کھسک گیا تھا۔

اور اسے خبر تک نہ ہوئی تھی۔

اور اب!

اس نے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

پتھر مجھے کہتا ہے مرا چاہنے والا میں موم تھا اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ مجھے کہتے ہو۔ محبت کی پہچان نہیں۔ کبھی دل کھول کر بھی تو دیکھو۔ تم مرد لوگ جانے کیوں بے انتہا بولڈ ہوتے ہو۔ جو دل میں ہوتا ہے اسے برملا کہہ بھی ڈالتے ہو مگر لڑکیاں۔ جانے کیوں گھٹ گھٹ کر جینے کی عادی ہوتی ہیں۔

چاہیں بھی تو کبھی دل کی بات لبوں سے کہہ نہیں پاتیں اور پھر تم تو۔ ہاں تم تو کسی اور کی امانت ہو اور امانت میں خیانت تو نہیں کر جاتی۔

میں جانتی ہوں تم چاہنے لگے ہو مجھے، میں یہ بھی جانتی ہوں محبت کوئی ٹھہرا ہوا جوہڑ یا تالاب نہیں۔ مگر سنو۔ اس کے باوجود میرے قدم تمہاری سمت اٹھ نہیں پا رہے ہیں۔ میں موت کی دہلیز پر کھڑی ہوں۔ بوند بوند پیاسی ہوں۔ تم سمندر ہو محبت کے مگر اس سمندر کے ایک قطرے پر بھی میرا حق نہیں۔ تم میرے لیے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتے ہو ثوبان قریشی، کیسے بڑھوں پھر میں تمہاری طرف؟ نہ جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے تکیے کو بھگونے لگے تھے۔

✦ ◈ ✖

ان دو سالوں میں ثوبان قریشی نے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا، کہ اب وہ واپس وطن لوٹ کر ایک بہترین زندگی گزار سکتا تھا۔

اماں اور ابا کی جانب سے بھی یہی پیغامات مل رہے تھے، کہ اب لوٹ آؤ۔ وہ خود بھی جانے کو تیار تھا۔ مگر نہ جانے کس قوت نے اس کے پاؤں باندھ رکھے تھے۔

''اماں، ابا کی خواہش ہے تو تمہیں واپس لوٹ جانا چاہیے۔'' اس نے اپنے بلاوے کی بابت بات کی تو لبنیٰ بولی۔ ''تم کو جس چیز کی ضرورت تھی، اسے تم حاصل کر چکے ہو پھر تمہارے یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ کیونکہ......''

''یہ بات تو طے تھی کہ میں یہاں مستقل قیام کی غرض سے نہیں آیا تھا۔ مجھے واپس تو لوٹنا ہی تھا، مگر......''

''مگر کیا؟'' لبنیٰ اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی مگر اس کی نگاہوں میں جانے کیا تھا کہ دوسرے ہی پل وہ چہرہ جھکا گئی اور ثوبان قریشی دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کا نازک سا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ لبنیٰ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا مگر اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کا چہرہ سلگنے لگا تھا۔

''سنو تم نے میرے پاؤں میں بیڑیاں کیوں ڈال دی ہیں؟'' لہجہ دھیما تھا مگر نظروں کی طرح پر تپش، کہ لبنیٰ جو سر اٹھا کر اسے مزید بولنے سے منع کرنا چاہتی تھی، جانے کیوں اس پل ایسا نہیں کر پائی تھی، بلکہ وہ سر اٹھا کر اسے کوئی تنبیہ بھی نہ کر سکی تھی، کہ پلکیں یکدم ہی بوجھل

ہو گئی تھیں اس کی کلائی پر اس کی گرفت انتہائی مضبوط تھی۔

''میں چلنا چاہتا ہوں مگر چل نہیں سکتا، بھاگنا چاہتا ہوں تم سے، مگر فرار کی تمام راہیں تم نے مسدود کر دی ہیں۔ بولو کیوں قیدی بنا رکھا ہے مجھے اپنا؟ کیوں اس جادوگری میں قید رکھنا چاہتی ہو مجھے؟'' اس کے شانوں کو جھنجوڑ کر ثوبان قریشی نے دریافت کیا تھا۔ تب پل کے پل میں اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا، اور پھر نظریں جھکا گئی تھی۔ ثوبان قریشی نے اسے دیکھا تھا، پھر سر جھٹکنے لگا تھا۔

''لبنیٰ! جو دل میں ہے اسے لبوں پر آنے دو۔ مت بند باندھو۔ محبت کسی قسم کی بندش برداشت نہیں کرتی۔ تم کیوں بے وقوفی کر رہی ہو؟''

مگر اس نے چہرہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تب ثوبان قریشی نے اس کے چہرے کو دھیرے سے اوپر اٹھایا اور بغور دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا۔

جو دل میں ہے اس کو لبوں تک تو لاؤ
تمہاری قسم جو کہو گے کریں گے

لبنیٰ نے ایک نظر اس کی جانب ڈالی اور پھر آہستہ سے اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑا کر باہر نکل گئی۔ ثوبان قریشی نے اس کی پشت کو تادیر دیکھا اور پھر ہونٹ بھینچ کر یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا۔

رات کے کسی پہر اس کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی تھی۔ ثوبان اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ وہ تکلیف کی شدت کے باوجود گرتی پڑتی اپنے کمرے سے نکلی اور ثوبان کے کمرے کا دروازہ بجانے لگی تھی۔ شاید وہ جاگ رہا تھا، دوسری دستک پر ہی دروازہ کھول دیا گیا تھا۔

''ث......ثو......بان۔'' وہ بہ مشکل بول سکی اور اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ تب وہ فوراً ہی گاڑی میں ڈال کر اسے اسپتال لے گیا تھا۔ ڈاکٹرز اسے ایڈمٹ ہونے کو کہہ رہے تھے، مگر جونہی اس کی حالت سنبھلی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ثوبان پلیز مجھے گھر لے چلو۔'' اس کی دھیمی آواز میں ایک التجا تھی۔

''مگر لبنیٰ۔''

''میں جانتی ہوں ثوبان یہاں رہ کر مجھے زندگی نہیں ملے گی، پھر جھوٹے دلاسوں سے

فائدہ۔ وہاں گھر میں کم از کم میں سکون سے مر تو سکوں گی۔" اس کا لہجہ رسانیت سے بھرپور تھا۔

"کیوں۔ گھر میں ایسی کیا بات ہوگی۔ جو یہاں نہیں؟" وہ جل کر گویا ہوا تھا۔ تب وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی' جیسے کہہ رہی ہو۔

"وہاں تم ہو گے اور میں تمہاری بانہوں میں مرنا چاہتی ہوں۔" اور تب ثوبان قریشی ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا' اگرچہ ڈاکٹرز قطعی اسے گھر بھیجنے کو تیار نہ تھے' مگر وہ لیلیٰ کو واپس لے آیا تھا۔

"مرنے کا تمہیں اتنا ہی شوق ہے' تو زہر کھا کر مر جاؤ' یوں سسک سسک کر مرنے سے تو کہیں بہتر ہوگی وہ موت۔" وہ گاڑی سے اترنے کے بعد خود اپنے قدموں پر چلنے لگی تھی' جب ثوبان قریشی نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ اس نے اسے ایک نظر دیکھا پھر مسکرا دی۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں مگر جانے کیوں کوئی طاقت مجھے روک دیتی ہے۔ جانے کیا بات ہے اس زندگی میں' جو یہ سسک سسک کے مرنا بھی مزا دے رہا ہے۔ لمحے لمحے کی موت بھی پر لطف محسوس ہو رہی ہے۔ اکھڑتی سانسوں میں موت کی سرگوشیاں ہیں مگر دل کی مدھم پڑتی دھڑکنیں زندگی کی تمنا کر رہی ہیں۔ چند پل اور چند پل اور۔"

ثوبان قریشی نے اسے رک کر بغور دیکھا پھر اس کے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھا لیا اور اس پل اس کا سانس اس قدر پھول رہا تھا کہ اسے یہ اقدام غنیمت ہی لگا۔ اسی لیے اس نے کوئی مزاحمت بھی نہ کی اور آنکھیں موند لیں پھر شاید دوا کے زیر اثر سو گئی۔ ثوبان نے اسے اس کے بیڈ پر لٹایا۔ اوپر کمبل ڈالا اور پھر کتنے ہی پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ زرد زرد رنگت' کے باوجود اس کے چہرے پر انوکھی کشش تھی۔ بند پلکوں کی جھالریں دلفریب لگ رہی تھیں۔ زلفوں کی کالی کالی لٹیں چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ثوبان دھیرے سے آگے بڑھا چہرے سے بہت آہستہ سے بال ہٹائے پھر لائٹ آف کر کے باہر نکل گیا۔

صبح وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ جب وہ بول پڑی۔

"کیا! یہ نہیں ہو سکتا کہ تم آج آفس نہ جاؤ۔" اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ کافی کا کپ لبوں تک لے جا رہا تھا اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا اور وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔

"جانے کیوں آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم میرے ساتھ رہو۔ ہم مل کر آؤٹنگ کے

لئے چلیں گے۔ دن بھر خوب گھومیں پھریں اور شام کو تھک کر واپس لوٹ آئیں۔ جیسے پنچھی تھک کر اپنے مسکن کی سمت لوٹ آتے ہیں اور......"

"او کے۔" ثوبان نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ "میں آج آفس نہیں جاتا مگر تم آرام کرو تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر مت کرو۔"

"ہاں مجھے اختیار ہی کہاں ہے کسی بات کا۔" وہ تلخ سے لہجے میں بولا تو وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی پھر سر جھکا کر کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔

"گھر کب جا رہے ہو؟" لیلیٰ نے یونہی بات بدلنے کو پوچھا۔

"کہو تو ابھی چلا جاؤں؟" جواب میں وہ جل کر گویا ہوا تو وہ بجائے برا ماننے کے' ہنس پڑی۔

"دو سال ہو گئے تمہیں یہاں' چلے جاؤ گے تو شاید اب مجھے کچھ عجیب سا لگے گا۔ یہ انسانی نفسیات بھی عجیب ہے جانے کیوں عادی بن جاتے ہیں ہم کسی چیز کے' کوئی شے متواتر نظروں کے سامنے رہے اور پھر اچانک اوجھل ہو جائے تو جانے کیوں ایک خلا سا بن جاتا ہے ذات میں۔" بقول حالی کے۔

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

وہ دھیرے سے مسکرائی پھر بولی۔ "ویسے تم پاکستان جا کر مجھے یاد تو کرو گے نا؟"

مگر ثوبان قریشی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے تکتا رہا۔

"ریم تو زبردست قسم کی ناراض ہے تم سے۔ کیسے مناؤ گے اسے؟" مگر تب بھی دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آیا اور وہ بولتی رہی۔ "بے وقوف سی لڑکی ہے وہ۔ حالانکہ میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ بھی کر دیا تھا' مگر وہ جانے کیوں پھر بھی خفا خفا سی ہے۔ ویسے سنو وہ دل سے خفا نہیں ہے' تم سے جس طرح تم اس کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتے' ویسے ہی وہ تم سے روٹھ نہیں سکتی' اور یوں بھی محبت کرنے والے خفا ہوں بھی تو ان کی خفگی عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ تم نرمی سے پیش آنا اس کے ساتھ اور......"

"کیا بات تمہاری ذات کے متعلق نہیں ہو سکتی؟" وہ اس کی بات رسان سے کاٹ

کر بولا تو وہ ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"ریم کی بات بھی کچھ بری تو نہیں۔ ویسے میں نے تو سنا ہے' جنہیں چاہا جاتا ہے' ان کا ذکر بھی بے حد دلکش سماں باندھ دیا کرتا ہے اور تم......"

"جو ذات کے اندر موجود ہوں۔ پل پل دل کے پاس رہیں۔ ان کے ناموں کو یا ذکر کو دہرانے کی ضرورت بار بار نہیں پڑا کرتی۔" ثوبان قریشی کا لہجہ دھیما تھا' مگر اس میں ایک کوئی بات ضرور تھی' کہ لبنیٰ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی' پھر دھیرے سے اٹھی اور باہر نکلنے والی تھی' جب وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تیار ہو کر آ جاؤ۔ آؤٹنگ کے لئے چلتے ہیں۔" اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ لبنیٰ نے پلٹ کر دیکھا پھر سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

پھر دن بھر وہ لوگ گھومتے رہے۔ شام میں جب گھر لوٹے تبھی لبنیٰ کی مما اور بہنیں چلی آئیں۔ ہاتھوں میں بے شمار گفٹس تھامے۔ ثوبان انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ جبکہ وہ قطعی چونکے بغیر آگے بڑھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ مائی لوّلی ڈوٹر۔" ماما نے اسے ساتھ لگا کر گرمجوشی سے پیار کیا وہ دھیمے سے مسکرا دی۔ جبکہ ثوبان قریشی کی نظروں میں خاصی حیرانگی تھی۔

"تھینکس"

باقی بہنوں اور بھائی نے بھی اسے وش کیا۔ تو وہ گفٹس تھامتے ہوئے ہنس پڑی۔

"لگتا ہے میری آخری برتھ ڈے ہے جبھی غیر متوقع طور پر اتنی ڈھیری سرپرائزنگ باتیں ہو رہی ہیں۔ اتنی خوشیاں مل رہی ہیں۔"

"لبنیٰ۔" ماما نے ٹوکا تو وہ ہنستی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ ماما اور لبنیٰ کی بہنیں ثوبان قریشی کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ جب وہ لوازمات اٹھائے دوبارہ کمرے میں آئی تو۔ ثوبان خوشدلی کے ساتھ ان سب سے گفتگو کر رہا تھا۔

"ویسے آپ لوگوں کو میرا برتھ ڈے یاد کیسے رہا؟"

"بس رہ گیا اب تم جلدی سے کیک کھولو اور کاٹو۔ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

لبنیٰ کی ایک بہن نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی ٹیبل پر رکھے کیک کی پیکنگ کھولنے لگی۔ تبھی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایکسکیوزمی۔ مجھے ذرا ضروری کام سے جانا ہے۔" لبنیٰ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی مگر وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا' بغیر اس کی جانب دیکھے۔

"تمہارے ہزبینڈ کیا تمہیں وش نہیں کریں گے؟" اس کی ایک بہن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا کر پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی پھر مسکرا دی۔

"وہ پہلے ہی مجھے وش کر چکے ہیں۔ بلکہ جونہی رات گھڑی نے بارہ بجائے تھے' اور نئے دن کا آغاز ہو تھا' تبھی انہوں نے مجھے وش کیا تھا۔ اب بھی دن بھر ہم باہر گھومتے رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں چھپی یاسیت کو کوئی نہ جان سکا تھا' اور سب ہنسی خوشی اس کی برتھ ڈے کو سیلیبریٹ کرنے لگے تھے' مگر جانے کیوں خوشی کے ان لمحوں میں بھی وہ خوش نہیں تھی۔ دل جانے کیوں بے حد مچل رہا تھا۔ شاید جسے نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیے تھا' وہ موجود نہیں تھا۔

پھر سب لوگ بھی چلے گئے مگر وہ نہیں آیا۔ کتنی ہی دیر تک وہ بیٹھی اس کی راہ تکتی رہی پھر یونہی بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی۔ جاگی اس لمحے جب اچانک دروازہ زور سے کھلا اور بند ہوا۔ وہ شور کی آواز پر ہڑبڑا کر دیکھنے لگی۔ سامنے وہی دشمن جاں کچھ الجھا الجھا اور مضطرب سا کھڑا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم؟ کم از کم بتا کر تو جانا چاہیے تھا۔ کس قدر پریشان ہو رہی تھی میں' کیا تمہیں اندازہ ہے اس بات کا؟" وہ تیزی سے بولتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ثوبان قریشی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"تمہیں کب کسی بات کا اندازہ ہوا ہے لبنیٰ! پھر مجھ پر ہی تمام اصول لاگو کیوں ہوں؟" لہجہ ترش تھا۔ لبنیٰ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ تم شاید مجھ سے خفا ہو۔ میں نے تمہیں......" وہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی جب اس کی پرتپش نگاہوں نے اس کے بولنے کی قوت زائل کر دی اور وہ خاموش ہو کر سر جھکا گئی۔ تبھی وہ لمبا چوڑا وجود آگے بڑھا اور پھر اسے جنونی انداز میں اپنی گرفت میں لے لیا۔

"آئی لو یو۔ آئی لو یو لبنیٰ۔" پر حدت دھیما لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھولنے لگا۔ اس کی روح تک جیسے پگھلنے لگی۔

"مت دور رکھو مجھے خود سے۔ نہیں رہ سکتا میں تم سے دور۔ اپنے اسیر پر مزید ستم مت

ڈھاؤ۔" اس کی مدھم سرگوشی اس کے کانوں پڑ رہی تھی۔

"بلیو می۔ آئی لو یو۔ آئی لو یو۔ و دمائی ہارٹ اینڈ سول۔" اس کے ہونٹوں کو وہ اپنے بالوں پر چلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

"اتنی چاہت' اتنی قربت' اتنی نوازش۔"

کوئی دامن بچانا چاہتا بھی تو نہ بچا پاتا۔

وہ بے قرار لہجہ۔

وہ پھول سے مہکتے لفظ۔

کہاں نظر انداز کیے جانے کے قابل تھے۔

اور مد مقابل جب اس کی جیسی جنم جنم کی پیاسی تشنہ لب ہو تو شاید ڈگمگانے کا امکان صد فی صد ہوتا ہے۔

جب کہ قانونی اور شرعی طور پر بھی وہ اس کے تن من کا مالک تھا۔

پھر گریز کی وجہ؟

مگر جانے کیوں وہ اس لمحے اس چھپر چھاؤں سے پل بھر میں نکل گئی۔

دل میں جاگتے تمام احساسات کو پل بھر میں تھپکی دے کر سلا دیا اور نہایت ہمت کے ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے کہیں سے پی کر آ رہے ہو۔ تبھی موقع محل کا بھی کچھ خیال نہیں۔ جانتے ہو کیا وقت ہوا ہے؟" وہ اس کی کیفیات کو نظر انداز کرتی ہوئی قدرے شوخی سے بولی تو وہ گھور کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ سچ ہے کہ میں مدہوش ہوں مگر یہ نشہ کسی مے کا نہیں' تمہاری محبت کا ہے لبنی۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔"

لبنی نے اسے دیکھا پھر دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ مہربانی کو محبت نہیں کہتے' اے دوست آ اب مجھ سے تری رنجش بے جا بھی نہیں۔

"کیا کہوں اس کے سوا کہ میرا تمہیں یہاں لانے کا مقصد فقط تمہاری مدد کرنا تھا۔ تمہیں تمہاری محبت سے دور کرنے میں یا تمہارے دل میں اپنی چاہت جگانے کا خیال بھی میرے ذہن سے نہیں گزرا۔ اب اگر تم نے کچھ غلط سوچ لیا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ

کہہ کر اندر بڑھنے والی تھی جب ثوبان قریشی نے اس کے بازو کو ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا اور جارحانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"جھوٹ بول کر تم کسے فریب دینا چاہ رہی ہو' مجھے' یا خود کو؟" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ اتنے اعتماد سے بولا تھا کہ لبنی باوجود کوشش کے بھی اس کی سمت نگاہ جمائے نہ رکھ سکی تھی اور پلکیں جھکا گئی تھی۔

"ٹیل می۔ یو لو می۔ ٹیل می۔ کہو تم اتنی ہی محبت کرتی ہو مجھ سے جتنی کہ میں تمہیں کرنے لگا ہوں۔ کہو یہ آنکھیں جھوٹ نہیں بول رہیں' یہ پلکوں کی لرزش بے معنی نہیں۔ کہو کہ اس دل میں' میں بس رہا ہوں' اس کی دھڑکنوں میں میرے نام کی لے ہے' کہہ دو کے اس چہرے کے تمام رنگ میرے ہیں۔ میرے لیے ہیں' اس جسم کی اندر بستی روح کے ساتھ میرا سنگم جنم جنم سے ہے۔ کہہ دو کہ کرتی ہو تم بھی مجھ سے محبت۔ ٹیل می۔ یو لو می۔ محبت میں انا اور خود داری نہیں ہوا کرتی۔ توڑ ڈالو تمام کھوکھلی دیواریں اور بڑھ آؤ میری جانب۔ محبت گناہ نہیں ہے۔ نہ تم نے کوئی گناہ کیا ہے پھر کیوں خوفزدہ ہو۔ کیوں ہچکچا رہی ہو۔ یہ ہاتھ تمہاری سونی مانگ سنوارنا چاہتے ہیں۔ تمہاری سونی زندگی میں رنگ بھرنا چاہتے ہیں۔ پھر کیوں جھجک رہی ہو' نہیں؟"

اس کے شانے پر اس کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ حد درجہ بڑھ گیا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

کوئی مزاحمت نہیں کی۔ شاید یہی ہار تھی۔ دل کی' نظر کی' جذبات کی' احساسات کی۔

لب گر خاموش تھے مگر اس کا جھکا سر' دہکتے عارض' کانپتی پلکیں چیخ چیخ کر یہ بات کہہ رہی تھیں کہ ہاں ہمیں محبت ہے تم سے۔

اور اس پل ثوبان قریشی نے بھی اس کے دل کی' نظر کی زبان کو شاید پڑھ لیا تھا۔

وہ اس لمحے اس کے سامنے ایک خوددار سوالی کی طرح کھڑی تھی۔ جو لبوں سے کچھ بھی نہ کہہ کر بھی اپنی مراد پانا چاہتے ہیں اور ہار فقط اس سوالی کی ہی ہوتی تو شاید عمر بھر کی نارسائی اس کا مقدر بن جاتی کہ کون ہے' ایسا جو بن مانگے سب کچھ نواز دے' مگر یہاں دینے والا ہاتھ خود پھیلا ہوا تھا۔ بات میں چاہے' کسی غرض کو دخل سہی' مگر بات دل کی بھی تو تھی نا' اور دل کب کسی کی مانتا ہے۔

دل کے ہاتھوں بڑے بڑے سورما شکست کھا گئے تھے' اور وہ تو پھر ایک نازک سی لڑکی

تھی۔

ثوبان قریشی نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

اور اب وہ محبت کی پناہ میں تھی۔

دل کے کونے کونے میں اچانک ہی پھول سے کھل اٹھے تھے' بے چینی اور اضطراب کی جگہ ایکدم ہی اطمینان نے لے لی تھی۔

✦ ◈ ✖

ثوبان قریشی تاول سے بال پونچھتا ہوا باہر نکلا تو وہ یونہی کروٹ لیے بے سدھ سو رہی تھی۔ثوبان نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے تاول ایک طرف ڈالا پھر شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر برش کرنے لگا۔لب دھیرے دھیرے گنگنانے لگے۔

مرے ہمسفر! تری نذر ہیں مری عمر بھر کی یہ دولتیں
مرے شعر' میری صداقتیں' مری دھڑکنیں' مری چاہتیں
تجھے جذب کرلوں لہو میں' میں کہ فراق کا نہ رہے خطر
تری دھڑکنوں میں اتار دوں میں یہ خواب خواب رفاقتیں

پھر وہ برش رکھ کر مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''ہیلو مادام۔یوں تو صبح ہو چکی ہے' لیکن ہماری صبح تب تک نہیں ہوگی' جب تک آپ اپنے رخ روشن سے زلفوں کے یہ گھنے سیاہ بادل ہٹا کر محبت سے مسکراتی ہوئی ہم پر نگاہ نہیں کریں گی۔'' وہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب جا رکا۔ایک نظر اس کے پر سکون چہرے پر ڈالی۔لب جانے کیوں سوتے میں بھی مسکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ایک دلکشی' ایک گہرا اطمینان اس حسین چہرے پر طاری تھا۔جیسے دنیا کے تمام خزانے یکدم ہاتھ لگ گئے ہوں۔

ثوبان نے اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے اس کے چہرے سے شریر زلفوں کی لٹیں سرکائیں اور چاند چہرہ نمایاں ہو گیا۔وہ ہلکا سا جھکا۔

''جانم۔اٹھ جاؤ بھئی۔صبح صبح والد اور والدہ کا فون بھی آیا ہے۔فوراً بلوایا ہے' انہوں نے۔میرا خیال ہے اب ہمیں پاکستان چلے ہی جانا چاہیے۔اماں ابا یقیناً اپنی دوسری بہو کو دیکھ کر بھی خوش ہوں گے۔پہلی گر چاند تھی' تو دوسری ستارہ ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا۔اس

کی زلفوں کی لٹیں بدستور اس کے ہاتھوں میں تھیں۔لہجہ اگرچہ شریر تھا' مگر لیلی کے وجود میں پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔

''اے لیلی۔'' ثوبان نے گہرے جذب سے کہتے ہوئے' اس کا ہاتھ تھاما اور تبھی اس کے ہاتھ میں دبا کاغذ اس کو چونکا گیا۔اس نے آہستہ سے اس کاغذ کو تھاما اور پھر تہ کھول کر پڑھنے لگا۔

ثوبان قریشی!

سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں کیسے اور کن لفظوں میں پکاروں کیونکہ تم وہ ہستی ہو' جو بظاہر میرے لیے شجر ممنوعہ ہی سہی لیکن میری ذات کے تمام رنگ تمہارے ہی دم سے تھے۔تم میرے اندر زندگی بن کر دوڑ رہے تھے۔

میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ وہ کیسے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں' جنہیں کوئی چاہتا ہے' آواز دیتا ہے۔

اور میں یقیناً ایسی ہستی نہ تھی۔تبھی ناامید بھی تھی۔میرا خیال تھا کہ مجھے بھی کوئی یونہی پکارے گا۔شاید میری کوئی نیکی تھی' جس کے صلے میں تم مجھے مل گئے۔

ثوبان میری زندگی لاکھ بے رنگ اور بے کیف سہی' لیکن میں نے جب تم سے تعلق جوڑا تھا' تو میرے دھیان میں کوئی غرض یا مفاد نہ تھا۔بلکہ میرا اولین مقصد تمہاری مدد کرنا ہی تھا' مگر نہ جانے کب اور کیسے تم میری روح تک کا سفر طے کر گئے۔ثوبان میں اقرار کرتی ہوں کہ میں نے تمہیں بے حد و بے حساب چاہا ہے' لیکن یہ محبت' یہ چاہت بے غرض تھی۔کسی مفاد کے بغیر تھی۔یہ محبت روح کی محبت تھی۔تم میرے پاس نہ بھی ہوتے تھے' تو میں تمہیں اپنے اردگرد محسوس کرتی تھی' تمہاری خوشبو ہر لحہ' ہر پل میری سانسوں میں بسی رہتی تھی' دل کی تمام شدتیں تمہارے لیے تھیں' ذہن فقط تمہیں سوچتا تھا' مگر اس کے باوجود میں نے کبھی بھی تمہاری قربت کی تمنا نہیں کی تھی۔ہمارے درمیان اگرچہ ایک تعلق تھا۔ایک بندھن تھا کاغذی ہی سہی مگر اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا' ہم قانونی اور شرعی رشتے میں قید تھے۔کہنے کو یہ ایک کاغذی رشتہ تھا' مگر یہ بات حقیقت ہے' کہ اسی رشتے کے باعث ہمارے احساسات و جذبات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔شاید یہ ایک فطری بات ہے' مگر میرا دل' میرا ضمیر ہمیشہ اس بات کو باور کراتے رہتے تھے کہ تم میرے نہیں ہو۔شاید اسی لیے۔میں تم سے بے اعتنائی

برتتی رہی' کہ میں کسی صورت بھی شرمندہ ہونا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اوّل روز ہی یہ بات خود کو باور کرا دی تھی' کہ تم میرے پاس کسی کی امانت ہو اور تمہیں لوٹ بھی جانا ہے۔ اور میری زندگی تو پہلے ہی اس قدر مختصر اور شکستہ حال تھی' کہ میں بچے کھچے دنوں کے لیے کسی روگ کو پالنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی' مگر وہ ہوتا کب ہے جو ہم سوچتے ہیں۔ سو یہ بھی نہ ہوا' اور لِلی حبیب تمہیں چاہنے لگی۔

مگر یہ چاہت بے غرض تھی۔

فقط میری اپنی ذات تک محدود۔

میں یہ بات اچھی طرح جانتی تھی' کہ تم ہمیشہ سے ریم کو چاہتے تھے۔ ایسے میں تمہارا میری جانب متوجہ ہونا میرے لئے باعث حیرت تھا' مگر پھر یہ کہنا کہ محبت کوئی ٹھہرا ہوا جوہڑ یا تالاب نہیں' جس کا پانی ایک جگہ جمع رہے اور بدبو چھوڑ جائے' بلکہ محبت تو سمندر ہے' جانے کتنے دریا اس میں گرتے ہیں اور شامل ہو کر اس میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ سمندر جس طرح وسیع ہوتا ہے۔ اسی طرح محبت بھی لامحدود ہوتی ہے۔ اگر دل اس بات پر ایمان لے آیا' مگر دماغ جانے کیوں کبھی بھی آمادہ نہ ہو سکا' اور شاید اسی کے باعث میں کبھی تمہاری حوصلہ افزائی نہ کر سکی۔ اس کے باوجود کہ میں ہمیشہ کی تشنہ لب تھی۔ میرے اندر پیاس ہی پیاس تھی' اور تم نے اچانک ہی مجھے اتنا نواز دیا کہ میری روح تک سیراب ہو گئی۔ میری طلب تو فقط ایک قطرہ تھا' مگر تم نے تو مجھے چاہت کا سمندر عطا کر دیا۔ تمہارا دست محبت میری روح پر پڑا! تو جانے کب کے رستے زخم مندمل ہوتے چلے گئے۔ بے رنگ اور ویران زندگی میں یکدم ہی بہار آ گئی' تمہیں مسیحا کہوں یا روح کا ہمسفر۔

جانے کیوں تمہیں پانے کے بعد جینے کی خواہش پوری شدت کے ساتھ ابھرنے لگی تھی۔ موت میرے سامنے اپنی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی' اور میں جینا چاہتی تھی۔ ایک طویل عمر۔ تمہارے ساتھ۔ تمہارے قریب رہ کر۔ شاید یہ خود غرضی ہی ہو مگر کبھی کبھی شدت سے دل چاہتا تھا' کہ تمہیں دل کے نہاں خانوں میں چھپا لوں یا پھر خود تمہاری دھڑکنوں میں بس جاؤں' تمہارے اندر سما جاؤں کہ موت گر آئے بھی تو مجھے ڈھونڈ نہ پائے۔ مگر ہم جو سوچتے ہیں' وہ اکثر ناممکن ہی ہوتا ہے اور دیکھو قضا میری جانب تکتی ہوئی مسکرا رہی ہے۔ بڑی مشکل سے چند لمحے مستعار لے کر اس وقت تم سے مخاطب ہوں وہ مجھے [illegible] ہے اور جانے

والے رکتے کب ہیں۔ شاید میری کمی تم زیادہ محسوس نہ کرو۔ کہ ایک نہایت محبت سے گندھا وجود تمہارے لیے منتظر ہے' جو تمہیں یقیناً مجھ سے کئی گنا زیادہ چاہتا ہے اور سنو۔ مجھے واقعی خوشی ہو گی اگر تم مجھے فراموش کر دو۔ یوں بھی میرے خیال میں پل دو پل کی رفاقت اتنی زور آور ہرگز نہیں ہو سکتی' کہ پوری حیات کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ میرے لیے رونا مت' اداس مت ہونا' تمہارے چہرے کی مسکراہٹ بے پناہ دلکش ہے اور میں اس دلکشی کو سدا تمہارے چہرے پر برقرار دیکھنا چاہتی ہوں۔ ریم سے میری جانب سے معذرت کر لینا' کہ اس کی امانت میں خیانت کی مرتکب تو بہرحال میں ہو ہی چکی ہوں' مگر یہ بھول کچھ اتنی بڑی بھی نہیں' پھر مرنے والوں سے کون خفا رہتا ہے۔ ریم۔ جتنی اچھی ہے' اس سے مجھے امید ہے' کہ وہ مجھ سے خفا نہیں ہو گی۔

اور تم......!

سنو میری ایک وصیت ہے۔ مجھے اس سرزمین پر ہرگز دفن مت کرنا۔ میں پاک دھرتی میں دفن ہونا چاہتی ہوں۔ اپنے پیارے پاکستان کی پاک سرزمین میں۔ میری یہ آخری خواہش پوری کرو گے نا؟"

تمہاری لِلی!

"لِلی......لِلی۔" ایک دم اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا' مگر اس کے بے جان وجود میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ ثوبان قریشی نے حواس باختہ ہو کر اس کی نبض ٹٹولی مگر اس کا برف سا سرد ہاتھ اس کی روح تک فنا کر گیا۔ نہ جانے کب کی جسم سے روح آزاد ہو چکی تھی۔ اب تو فقط خاک کا ڈھیر تھا۔

"لِلی۔" ثوبان قریشی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"لِلی۔ پلیز آنکھیں کھولو۔ لِلی۔ تم مجھے یوں دھوکا نہیں دے سکتیں۔ اٹھو آنکھیں کھولو لِلی۔ میں تو تمہیں اماں ابا کے پاس لے کر جا رہا تھا' پھر اتنی جلد کیسے ہاتھ چھڑا گئیں تم۔"

وہ مسلسل اسے پکار رہا تھا' مگر جواب کوئی نہ آ رہا تھا۔

✦ ◈ ✖

میری الماریوں میں چھپی تیری یادیں چیخ رہی ہیں
گھر کے ہر کونے میں دبکی

اس ڈھیلے کو بغور تکنے لگا۔

''تم نے کہا تھا ناکہ میں تمہاری قبر پر دیا جلانے ضرور آیا کروں' دیکھو میں آرہا ہوں باقاعدگی کے ساتھ۔ تم خوش ہونا اب؟''

جانے کب پلکوں سے دوشفاف موتی ٹوٹے اور مٹی میں جذب ہو گئے۔

''میں نہیں جانتا تھا' محبت اتنا بے خود کر دینے والا جذبہ ہے۔ محبت تو مجھے ریم کے ساتھ بھی تھی مگر تم......''

وہ رکا پھر گہری سانس لے کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

مجھے تم بچھڑ کر اتنا مضطرب کر جاؤ گی کبھی سوچا ہی نہیں تھا' میں نے۔ بلکہ میری زندگی میں تو کسی دوسرے وجود کا سرے سے تصور ہی موجود نہ تھا' مگر تم مجھے اپنے سحر میں جکڑتی چلی گئیں اور پھر اتنا بے بس کر ڈالا کہ میں بھی بے خود ہو گیا۔ بقول تمہارے بلھے شاہ کے۔

جس تن لگیا عشق کمال

ناچے بے سرتے بے تال

اب میں بھی تمہارے ہجر میں مست و خود بے سر اور بے تال رقص کر رہا ہوں' پاؤں نگار ہو چکے ہیں' مگر جانے کیوں پھر بھی رکتے نہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں' یہ سفر رائیگاں ہے اور اب کچھ بھی ہاتھ آنے والا نہیں۔ حقیقت مٹ چکی ہے۔ تم جا چکی ہو مگر میرا دل جانے کیوں پھر بھی تمہیں پکار رہا ہے۔ تم اپنے اندر کا تمام اضطراب مجھے سونپ کر خود کہاں غائب ہو گئی ہو؟ میری یہ بے خودی و بے قراری کب تک مجھے تنہا جھیلنا پڑے گی۔ کب تک یونہی مست و بے حال جلتے شعلوں پر رقص کرنا ہو گا۔''

سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں دو پیاسی نظریں میری منتظر ہیں۔ ہاتھوں میں چاہت کے مہکتے گلاب لیے کب سے میری راہ تک رہی ہیں۔ وہ آنکھیں جو کہ مجھے بھی کبھی محبوب تھیں۔ میرے اندر تک رسائی رکھنے والی نازک کانچ سی لڑکی کی مضطرب و بے قرار نظریں۔ مگر جانے کیوں اس کی سمت بڑھنے کی چاہ کرتے ہوئے بھی میرے پاؤں ساکت ہو جاتے ہیں۔

مجھے اس سے محبت تھی اور ہے۔ میں کبھی بھی اظہار کا قائل نہیں رہا مگر وہ میری روح میں بستی تھی۔ ہمیشہ سے۔ ہم نے بنا کہے ایک دوسرے سے اقرار کے ڈھیروں الفاظ کہے'

ایک دوسرے سے اقرار کے ڈھیروں الفاظ کہے ہیں۔ چپ ہونٹوں سے ان گنت فسانے سنائے ہیں' ایک دوجے کو مگر آج جانے کیوں میری آنکھیں اس کی سمت اٹھ نہیں رہیں۔ شاید اس لیے کہ میں نے اس کے اعتماد کا خون کیا ہے۔ اس کے بھروسے کو تہس نہس کر ڈالا ہے۔

''جانے محبت کیا تھی۔

وہ جو ریم کو مجھ سے تھی۔

مجھ کو ریم سے تھی۔

یا تمہیں مجھ سے تھی؟ یا پھر مجھے جو تم سے ہوئی۔''

محبت کے اس اسرار و بھید کو شاید کوئی کبھی نہ جان سکے' مگر یہ طے ہے کہ محبت اضطراب کا دوسرا نام ہے۔

✦ ◈ ✦

اماں' ابا نے جب باہمی صلاح و مشورے کے بعد رخصتی کی تاریخ مقرر کر دی تو ثوبان قریشی نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس کے چہرے سے خاصے اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ یقیناً کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

کل جب سے اماں ابا ریم کے ہاں سے ہو کر آئے تھے۔ تب سے اس نے کوئی بیسویں بار اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ایک بار بھی آن دی لائن نہیں آئی تھی۔ یقیناً وہ اس سے ناراض تھی اور اب سے نہیں۔ بلکہ دو سال گزر گئے تھے اس ناراضی کو اور اسے حق بھی تھا۔

وہ جھنجلا کر چابی اٹھا کر نکلا اور رش ڈرائیونگ کرتا ہوا' ان کے ہاں جا پہنچا' مگر اسے دیکھتے ہی وہ جھٹ کمرے میں بند ہو گئی' اور وہ اپنا سا منہ لے کر واپس لوٹ آیا۔

''ریم بی بی! اختیار ہے' تمہیں یہ سلوک روا رکھنے کا کہ میں نے بھی کم اذیت تو نہیں پہنچائی تمہیں' مگر یاد رکھو ہمارے درمیان جو تعلق تھا' وہ ہر قسم کی قید و بند سے آزاد تھا۔ کسی قسم کی رسموں' قسموں اور وعدوں' شرطوں کو اس میں مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ وہ روح سے روح اور دل سے دل کا تعلق تھا۔ سچا اور کھرا۔

تمہارے نصیب میں جتنے دکھ تھے تم نے سہ لیے۔ اب اور نہیں میری جان۔ اب اور

نہیں۔

دردوغم کے جتنے دنوں کو شمار کرنا تھا ہم کر چکے۔ اب ہم پھول گنیں گے۔

ثوبان قریشی ایک اٹل ارادے کے ساتھ مسکرایا' اور پھر کاغذ قلم سنبھال کر معافی نامہ تحریر کرنے لگا۔ جس میں گزشتہ دو سال کی تمام روداد حیات کا ایک ایک نقش شامل تھا۔

ریم اگرچہ ابھی رخصتی کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھی' مگر امی کی ضد نے اسے اس قدر مجبور کر ڈالا کو وہ باوجود کوشش کے انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ رخصت ہو کر ''ریم محل'' میں چلی آئی۔ البتہ ایسے موقعوں پر لڑکیوں کے دلوں میں جو جوت جاگا کرتی ہے۔ اس کا اس کے چہرے پر دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔ حالانکہ کتنی پذیرائی ملی تھی اسے اس دہلیز پر قدم دھرتے ہی' مہکتے سرخ گلابوں کی طویل روش پر پاؤں پاؤں چلایا گیا تھا' مگر اس کے لئے جانے کیوں وہ پھول سرخ دہکتے انگارے بن گئے تھے۔ اور اب خالصتاً تازہ پھولوں سے سجی مہکتی سیج پر بیٹھی بھی وہ خاصے اکتائے ہوئے انداز میں سر جھکائے ان مہکتی کلیوں کو دیکھ رہی تھی۔

ایک شور ہنگامہ بپا تھا' کمرے میں جیٹھ رشتے کے دیور' نندیں اور بھابیاں مگر اس شور وغل میں جانے کیوں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ یہ سب اہتمام اس کے لئے تھا' مگر جانے کیوں اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا' کہ یہاں سے اٹھے اور پھر بھاگتی ہوئی باہر نکل جائے۔

یا پھر اس سیج کے سارے مہکتے پھول اپنے ہاتھوں سے نوچ پھینکے اور پھر زور زور سے قہقہے لگائے' خوب ہنسے اپنی تقدیر پر اسے دل کی بے بسی پر جسے محبت تو ملی مگر وفا نہ ملی' جذبے سونپے گئے' مگر اعتماد کا شیشہ چکنا چور کر دیا گیا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔ اسے احساس تک نہ ہوا کہ کب سب لوگ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

اور جانے کب تک وہ یونہی بے حس وحرکت بیٹھی رہتی کہ اچانک دروازہ کھلا اور کوئی بھاری قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ وہ بالکل بھی متوجہ نہیں ہوئی۔ چہرے کا جھکانا تو دور کی بات چہرے پر سرے سے گھونگٹ موجود ہی نہ تھا۔ بغور دیکھتے ہوئے ثوبان قریشی اس کے قریب بیٹھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے چونک کر یوں دیکھا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ سر اٹھا کر اس شخص کی جانب دیکھنے لگی۔ جو چپ

چاپ اس کی جانب تکے چلا جا رہا تھا۔ پھر ایک مدھر مسکان دھیرے سے اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔ بے حد...... بے پناہ حسین مگر دلہنوں کو اتنی بے تکلفی کے ساتھ ٹکٹکی باندھ کر اپنے دولہا کو ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے۔''

اس کے لہجے میں شرارت وشوخی تھی' مگر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرا گئی۔

''مغرب کی چکا چوند سے متاثر ہونے والوں کو ہماری یہ بے تکلفی بری کیوں لگنے لگی۔'' وہ بولی تو لہجہ بے پناہ تلخ تھا۔ زہر میں بجھا ہوا اور یہ سب چونکہ ثوبان قریشی کی توقع کے عین مطابق تھا' وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اس کی جانب دیکھتا ہوا دھیرے سے مسکرا دیا۔

''ناراض ہو؟''

پھر اس کا جواب نہ پا کر بولا۔

''تمہیں حق بھی ہے مگر......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی' پھر اس کے چہرے کی سمت بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''محبت کرتی ہو نا مجھ سے؟''

اس کا سوال ریم کو سرتاپا جلا گیا۔ شاید وہ اپنا اعتبار دلانا چاہ رہا تھا' مگر وہ پھٹ پڑی۔

''ہم لڑکیاں جس کو ایک بار من مندر کا دیوتا بناتی ہیں' پھر تمام عمر اسی کی پرستش میں بتا دیتی ہیں۔ چاہے وہ دیوتا' جواب میں ہمیں کچھ بھی نہ دے۔ مگر ہماری محبتیں اور پرستش اس کے لئے پھر بھی کم نہیں ہوتیں۔ ہماری محبتیں فریب یا دھوکہ نہیں ہوتیں۔ نہ ہم مردوں کی طرح اپنی محبتیں بدلتی ہیں' اور نہ وفائیں۔ مرد دیوتا بن کر چاہے جتنی بھی داسیاں بدل لے۔ ہم پجارنیں اپنا دیوتا ہرگز نہیں بدلتیں کہ مرد بے وفائی کرے بھی تو بے وفا نہیں کہلاتا۔

زمانے کا کوئی قانون اسے سزا نہیں دیتا۔ کوئی اسے مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ اس کے اقدام کو اس کی مردانگی کی آڑ سے ڈھک دیا جاتا ہے' مگر عورت' وفا کی یہ دیوی باوفا ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ قدموں تلے روندی جاتی ہے اور......'' اس کی آواز رندھ گئی تو وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئی پھر ثوبان کی جانب دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

''محبت کا یہ یقین کیا کافی نہیں مسٹر ثوبان قریشی کہ میں باوجود تم سے نفرت کرنے کے

کبھی تم سے نفرت نہ کر سکی۔ دو سال تک میں نے دو ہزار بار خود کو حسد کے دہکتے الاؤ میں زندہ جلتے رہنے کی سزا دی۔ کیا یہ محبت نہیں تھی کہ میں تم سے قطع تعلق کے باوجود کبھی تمہیں فراموش نہیں کر سکی' اور اس کے باوجود کہ تم اپنا ناتا کسی اور کے ساتھ جوڑ چکے تھے۔ میں نے پھر بھی تمہیں پوجنے کی عادت ترک نہیں کی' اور اب جب تم ناکام ہو کر لوٹ آئے ہو تب بھی تمہیں ٹھکرایا نہیں۔"

آنسو تیزی کے ساتھ رخساروں کو بھگوتے چلے گئے مگر وہ بولتی چلی گئی۔

"وفا' محبت' عشق ان کے معنی تمہاری ڈکشنری میں تو بدل سکتے ہیں' ثوبان قریشی مگر میری زندگی میں نہیں۔ تم اپنی محبت' اپنی وفا کا رخ تبدیل کرنے میں حق بجانب ہو' کہ تم مرد ہو مگر میں' میں اگر ایسا کرنے کے بارے میں سوچوں بھی تو عورت کے نام پر گالی بن جاؤں گی' کہ وفا کا دوسرا نام عورت ہے اور جو بے وفا ہو جائے وہ عورت نہیں رہتی۔ میں کل بھی تم سے محبت کرتی تھی' اور آج بھی کرتی ہوں۔ میری وفائیں کل بھی تمہارے لیے تھیں اور آج بھی تمہارے نام ہیں' مگر کیا یہی یقین مجھے تم بھی دلا سکتے ہو؟" وہ تر آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

ثوبان نے ایک نظر اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کی جانب دیکھا' پھر ایک گہرا سانس لے کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا' پھر ایک لفافہ نکال کر اس کی جھولی میں ڈال دیا۔ وہ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ تبھی وہ گویا ہوا۔

"جو بات میں خود تم سے نہیں کہہ سکتا وہ اس میں تحریر کر دی ہے۔ تمہیں اس میں ہر سوال کا جواب مل جائے گا' مگر میں پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ محبت کا رخ تبدیل تو ہو سکتا ہے مگر اس سے یہ اخذ کر لینا بھی بجا نہیں' کہ محبت مٹ گئی۔ یا فنا ہو گئی۔

محبت قوس قزح کی مانند رنگ بدلتی ہے
کبھی ایک رنگ ہے تو کبھی دوسرا
مگر تمام رنگ محبت کے ہی ہوتے ہیں
محبت مرتی نہیں
محبت تو بہتا دریا ہے
ایک وسیع سمندر ہے

کسی کو دو چار قطرے دے دینے سے جو کم نہیں پڑتا
محبت ایک شجر ہے
اور شجر کی چھاؤں پر ہر ضرورت مند کا حق ہے

کوئی تھکا ہارا مسافر اگر دو چار پل اس کی چھاؤں میں گزار لے تو یہ گناہ کبیرہ ہرگز نہیں کہ شجر تو اپنی جگہ اپنے مرکز پر ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ جگہ تو مسافر بدلتے ہیں۔ اور میری محبت بھی ایک شجر ہے۔ جو آج بھی اپنے مرکز پر قائم ہے۔" وہ اٹھا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ریم کچھ لمحوں تک اس سفید لفافے کو دیکھتی رہی' پھر اسے دھیرے سے اٹھا کر کھولنے لگی۔

✦ ◈ ✖

ثوبان قریشی کئی لمحوں تک کوریڈور میں یہاں سے وہاں ٹہلتا رہا۔ وہ قدرے مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا' کہ وہ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے گی۔ اسے وہ قبول ہوگا' اور اگر اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہے گی تو وہ زبردستی ہرگز نہیں کرے گا کہ ایسے بندھن زبردستی نہیں نبھائے جا سکتے' بلکہ وہ خود اس ضمن میں اس کی مدد کرے گا' اور اس کی ذات پر کوئی حرف لائے بغیر اس کی زندگی سے نکل جائے گا کہ دیکھنے والے اس تعلق کے ٹوٹنے پر اسے موردِ الزام ہرگز نہیں ٹھہرائیں گے۔

یہ سب باتیں اس نے پہلے سے سوچ رکھی تھیں' بلکہ پورا پورا لائحہ عمل مرتب کر رکھا تھا۔ وہ اس کے ہر ردعمل کے لیے تیار تھا' مگر جانے کیوں اس لمحے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری تھا۔ پا کر کھونا شاید مشکل ہوتا ہے۔ اور وہ اس وقت ایک ایسے ہی وقت سے دوچار تھا۔ آنے والے لمحے اس کے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ یہ فیصلے کی گھڑی تھی اور جانے کیوں اس سے یہ وقت کاٹنا بے حد محال ہو رہا تھا۔

کتنے ہی پل یہاں سے وہاں چکر کاٹتا رہا پھر چلتا ہوا گرل کے پاس آن رکا۔ تبھی بڑی اماں جانے کہاں سے ادھر آنکلیں۔

"ارے ثوبان تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ثوبان چونک کر دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں اس وقت کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔ کیا پہلی ہی رات جھگڑا ہوگیا؟" ان کے
شوخ سے انداز پر وہ بہ مشکل مسکرایا' پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"دراصل۔"

"بس اب وضاحتیں وغیرہ چھوڑو اور اپنے کمرے کا رخ کرو۔ اماں' ابا میں سے کسی
نے دیکھ لیا تو شامت آجائے گی تمہاری۔"

وہ بولیں تو ثوبان پلٹ کر ان کے مزید سوالات سے بچنے کے لئے تیزی سے آگے
بڑھنے لگا۔

اپنی خواب گاہ کے سامنے اس کے قدم لحہ بھر کو رکے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بڑی
بھابی وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ تب وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر بڑھ آیا کہ و
کسی نئی کہانی کو جنم دینا نہیں چاہتا تھا' مگر اب سامنے بیٹھی ہاتھوں میں پیر تھامے وہ گم صم سی
لڑکی اسے پوری طرح چونکا گئی۔ اس کے چہرے سے کوئی بھی تاثر عیاں نہ تھا۔ وہ یقیناً سب
کچھ پڑھ چکی تھی' پھر جانے کیوں فیصلہ کرنے میں اتنی دیر لگا رہی تھی۔ ثوبان قریشی کی آمد
بھی اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اور اب۔

ثوبان قریشی نے ایک گہرا سانس خارج کیا پھر کوٹ اتارتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ ب
کے قریب رک کر لحہ بھر کو اسے دیکھا پھر کوٹ کاؤچ پر اچھال دیا۔ وہ سر جھکائے خاصی لاتعلق
سی بیٹھی تھی۔ ثوبان قریشی کے اندر کی بے چینی سوا ہوگئی۔ نہایت اضطراری انداز میں اس نے
بالوں میں ہاتھ پھیرے' پھر ایک گہرا سانس لے کر اس کے قریب آن رکا۔

"تم جو بھی فیصلہ کرو گی وہ مجھے قبول ہوگا۔ میں تم پر مسلط ہونا نہیں چاہتا۔ محبت کا بد
صرف محبت ہے۔ خیرات یا بھیک نہیں۔ کاسہ دل میں محبت کے سکوں کی کھنک ہی بھلی لگ
ہے۔ زبردستی کے بندھن ناپائیدار ہی ہوتے ہیں اور تم پر کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ کو
جلدی نہیں۔ تم آرام سے فیصلہ کر سکتی ہو مگر جو بھی فیصلہ کرو گی اس میں مجھے اپنا معاون پاؤ
اگر تم علیحدگی اختیار کرنا چاہو گی تب بھی میرا تعاون تمہیں حاصل ہوگا اور......"

وہ ابھی بول ہی رہا تھا' جب وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اس کی مقابل کھڑی ہوکر ا
دیکھنے لگی۔ سرخ عروسی جوڑے میں وہ شعلہ جوالہ بنی روح تک میں سرایت کر گئی تھی۔
بھیگی سیاہ آنکھیں بے پناہ دلکش لگ رہی تھیں۔ ثوبان قریشی نگاہ چرا گیا۔ تبھی وہ دو

فاصلہ عبور کر کے آگے بڑھی اور یکدم اس کے فراخ سینے پر مکے برسانے لگی۔

ثوبان قریشی کے لیے اگرچہ یہ غیر متوقع تھا' مگر وہ پھر بھی مضبوط پہاڑ کی مانند اس کے
سامنے جما رہا۔ وہ مارتی چلی گئی اور پھر تھک کر اسے کے شانے پر سر رکھ کر ہچکیوں کے ساتھ
رونے لگی۔

ثوبان قریشی نے اپنے مضبوط شانے پر رکھے اس کے سر کو دیکھا۔

خوشی و اطمینان کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

فیصلہ ہو چکا تھا۔

وہ اس کی پناہ میں تھی۔ محبت کے گھنے شجر کی چھاؤں میں تھی۔

یہ آنسو آج آخری بار بہہ رہے تھے' پھر کبھی نہ آنکھوں میں آنے کے لئے۔

اس نے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کیا اور مسکراتے ہوئے دھیرے دھیرے اس کے سر
کو تھپکنے لگا۔

✦ ◇ ✦